امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ و جھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار نقیب

پھلواری شریف پٹنہ

مدیر: مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

معاون: مولانا رضوان احمد ندوی

جلد نمبر 62/72 | مورخہ ۲۷؍ جمادی الثانی ۱۴۴۳ھ مطابق ۳۱؍ جنوری ۲۰۲۲ء روز سوموار | شمارہ نمبر 05

اس شمارہ میں

- اللہ کی باتیں، رسول اللہ کی باتیں
- دینی مسائل، یادوں کے چراغ
- دعوت دین کی راہ میں دینی مدارس
- حق گوئی و بے باکی ایک قابل ستائش عمل
- الفاظ کا جادو، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک
- اسلامی معاشرہ میں دار القضا کا کردار
- سیکولر پارٹیوں کا مایوس کن رویہ
- اخبار جہاں، طب و صحت، ہفتہ رفتہ

بین السطور

سَرقہ - ایک مذموم عمل

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

سرقہ عربی زبان کا لفظ ہے اس کا اردو ترجمہ ''چوری'' معروف اور متداول ہے، جس کا مطلب خفیہ طریقے سے کسی اور کی چیز اٹھا لینے کے ہیں، زمانہ قدیم میں چوری کی اصطلاح رات کی تاریکی میں گھر میں گھس کر مال و اسباب غائب کرنے کے لیے بولا جاتا تھا، پھر چوری کا یہ عمل متعدی ہوا اور آنکھ مچولی اور مال غائب کا رواج عام ہو گیا، اب نہ رات کی تاریکی کی ضرورت ہے اور نہ چپکے سے گھروں میں سینددھ لگانے کی، اب تو آنکھ بند، ڈبہ غائب کا محاورہ عام ہے، اس کے مناظر مختلف اسفار میں سامنے آتے رہتے ہیں، آپ چوکنا نہیں ہیں، سامان کی طرف سے غافل ہیں تو کہاں پر اور کس کے ذریعہ آپ کی جمع پونجی اور مال و متاع اچک لیا جائے، کہنا مشکل ہے، چوری کا یہ عمل شاعروں کے یہاں بھی بڑا مقبول رہا ہے، لیکن وہ کسی کا سامان نہیں چراتے محبوب کی آنکھوں سے کاجل اور سرمہ چرانے میں خاصی دلچسپی دکھاتے ہیں۔

اب چوری کرنے والے سینہ زوری بھی کرتے ہیں؛ بلکہ اب تو چوری سے زیادہ ڈکیتی نے رواج پالیا ہے اور بقول شاعر: رات کا انتظار کون کرے، آج کل دن میں کیا نہیں ہوتا، دن میں ہی لوگ ہتھیار سے لیس آتے ہیں اور سب کچھ لوٹ کر چلتے بنتے ہیں، عافیت پسند لوگ ان کے مزاحم ہونے سے گھبراتے ہیں؛ کیوں کہ مزاحمت کے نتیجے میں مال کے ساتھ جان کے چلے جانے کا خطرہ بھی رہتا ہے، پولیس اور حفاظتی دستے اس کو روک سکتے ہیں؛ لیکن عموماً ہماری پولیس کی ناک کے نیچے ہی جرم ہوتا ہے تو اس وقت متنبہ ہوتی ہے جب سب کچھ لٹ چکا ہوتا ہے؛ بلکہ کہنے والے تو یہ بھی کہتے ہیں کہ جن علاقوں میں تھانہ قائم ہے وہاں جرائم کا گراف کچھ زیادہ ہی رہتا ہے؛ کیوں کہ پولیس کی ملی بھگت سے جرائم پیشہ جرم کرتے ہیں، ملی بھگت کے بعد کس کی مجال ہے کہ جرائم کو روک دے، اسی بنیاد پر یہ مثل مشہور ہے کہ سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کا ہے کا۔

چوری سے کتابوں کے چھاپنے کا بھی رواج برصغیر ہند و پاک میں عام ہے، آپ لاکھ جملہ حقوق محفوظ لکھتے رہیں، مکتبہ اور کتب خانہ والوں کی صحت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، اشاعتی اداروں کو اس کی وجہ سے سخت نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور جس نے اس کتاب پر کوئی رقم خرچ نہیں کی، مصنف کو رائلٹی نہیں دی، وہ کتابیں بیچ بیچ کر وارے نیارے کر لیتا ہے۔

چوری کا یہ عمل تخیلات میں بھی ہوتا ہے، شعراء کے یہاں عموماً اس عمل کو توارد سے تعبیر کرتے ہیں، ایک ہی قسم کا خیال دو شاعروں کے یہاں شعر میں بندھ گیا تو اسے اتفاق سمجھا جاتا ہے، توارد کا سہارا لے کر بہت سارے متشاعر تو مصرعہ کا مصرعہ اڑا لے جاتے ہیں۔

اردو نثر میں خیالات مستعار لینے کو ''قوت اخذ'' سے تعبیر کرتے ہیں اور اسے معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا، ادب و شاعری اور مذہبی لٹریچر میں بھی اس کی بہت ساری مثالیں ہیں؛ لیکن نثر میں یہ عمل الفاظ و جملے کی ساخت، تعبیرات کی تبدیلی کی وجہ سے چوری نہیں قرار دیا جاتا؛ کیوں کہ تخیلات بھی اعجمہ نہیں ہوتے، قلم کار اپنا دماغ لگا کر سابقہ تخیل کو پروان چڑھاتا ہے، اور اس طرح پیش کر دیتا ہے کہ وہ بالکل نئی معلوم ہوتی ہیں، کبھی کبھی پیش یا افتادہ موضوع ہوتا ہے، ممکن ہے کسی نے اس پر کچھ لکھا بھی ہو؛ لیکن اس کی اپنی سوچ اور لکھنے کا انداز اس کو کہیں سے کہیں پہونچا دیتا ہے۔

مذموم وہ حرکت ہے کہ کسی اہل قلم کا پورا کا پورا مضمون اڑا کر اپنے نام سے شائع کر لیا جائے، اپنا نام اس کے ٹائٹل پیج پر دینا ضروری ہو تو بھی اسی قدر دینا چاہیے، جتنا کام اس نے کیا ہے، عربی و اردو کتابوں کے جو ایڈیشن ورک ہوتے ہیں، ان میں ٹائٹل پر ''تحقیق و تحشیہ''، ''نظر ثانی و اضافہ'' جیسے الفاظ لکھ کر واضح کر دیا جاتا ہے کہ اس نے کتنا کام کیا ہے، بعض مصنفین کے یہاں یہ طریقہ بھی رائج ہے کہ وہ جب دوسروں کی تصنیفات و تالیفات کو مرتب کرتے ہیں تو باضابطہ پیش لفظ اور مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ میں نے اس تصنیف پر اس قسم کی محنت کی ہے، اصل کتاب فلاں صاحب کی ہے، پوری کی پوری کتاب کے سرقہ کا یہ عمل آج کل ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لیے زیادہ ہوتا ہے، ایک یونیورسٹی میں جو کام ہو گیا، اسی عنوان پر رجسٹریشن کرا کر پورا مقالہ نام بدل کر داخل کر دیا جاتا ہے، اس عمل کو روکنے کے لیے کوششیں بہت ہوئیں، یونیورسٹی میں جن موضوعات پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی گئی اس کی فہرست کی اشاعت کی گئی، قینچی کے کام کو روکنے کے لیے طویل اقتباس کے نقل پر بھی یک گونہ روک لگائی گئی؛ لیکن یار لوگ کہاں ماننے والے ہیں۔

اسی طرح جو کام ٹیم ورک نے کیا ہے، اس کو بھی کسی ایک نام سے منسوب کر دینا ''سرقہ'' کے ذیل میں آتا ہے اس لیے کہ اجتماعی محنت کو انفرادی محنت قرار دینے کی جسارت کی گئی ہے، سرکاری اداروں میں جو ورک شاپ ہوتا ہے اس میں بہت سارے شرکاء ہوتے ہیں، آپ نے دیکھا ہوگا کہ کتابوں پر تمام شرکاء کے نام شائع کیے جاتے ہیں، مثال کے طور پر ایک کتاب ہے ''اردو زبان کا جادو'' یہ کتاب فروغ اردو دہلی سے شائع ہوئی ہے، اس کا موضوع کھیل کھیل میں تدریس تھا، سولن ہماچل پردیش میں میرے ساتھ درجن بھر لوگ اس ورک شاپ میں تھے، اس لیے میرے لیے یہ درست نہیں ہوگا کہ میں اسے اپنی کتاب قرار دوں، یہ صرف میری نہیں پورے ورک شاپ کے شرکاء کی محنت کا نتیجہ ہے، ایمانداری یہ ہے کہ سب کی محنت کو سراہا جائے اور اگر چیز چھپ رہی ہے تو سب کا نام دیا جائے، کم از کم پیش لفظ اور مقدمہ میں اس کا ذکر ضرور آنا چاہیے۔

آج کل ایک طریقہ دوسرے کے مضامین کے طویل اقتباسات نقل کرنے کا ہے، یہ طویل اقتباسات اس لیے نقل کیے جاتے ہیں کہ اپنے مطالعہ کا رعب قارئین پر ڈالا جائے اور اقتباس نقل کر کے مقالہ اور مضمون کو طویل کیا جائے، اقتباسات کا نقل کرنا ''سرقہ'' نہیں ہے بشرطیکہ آپ نے اسے واوین (''.....'') کے درمیان نقل کیا ہے، ایمانداری سے مصنف اور اس کی کتاب کا حوالہ دیا ہے؛ لیکن اگر آپ نے بغیر واوین کے اقتباسات کو اپنے مضمون کا جزو بنا لیا تو یہ سرقہ ہے اور مذموم ہے، خود میرے ساتھ یہ ہو چکا ہے کہ میرا پورا مضمون جو پہلے سے مطبوعہ ہے، دینی تعلیم اور فکر معاش، اسے ایک صاحب نے پورے کا پورا اپنے نام سے شائع کر دیا، مضمون قارئین کو پسند آیا تو کئی رسائل میں چھپا۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے، جو مثل اور محاورہ کو بھی واوین کے درمیان ڈالے بغیر نقل نہ کیا جائے، ظاہر ہے اسے بھی کسی نے وضع کیا ہوگا؛ لیکن وہ اب زبان و ادب کی میراث اور جاگیر ہو گئی، ان کے واضع کا نام بھی معلوم نہیں ہے، اس لیے ان محاوروں اور ضرب الامثال کے استعمال کو ''سرقہ'' کی فہرست میں نہیں رکھا جا سکتا، اس لیے اسے نہ تو واوین میں لینے کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی وضاحت کی۔

آج کل سرقہ کا ایک اور طریقہ رواج پا گیا ہے اور وہ ہے دوسروں کی تحریر، تبصرے اور پوسٹ کو اپنے نام سے فارورڈ کرنا، بعض لوگ تو اس قدر جری ہوتے ہیں کہ سوشل میڈیا پر اپنا نام لکھ کر دوسروں کی تحریر کو آگے بھیج دیتے ہیں، فارورڈ کیا کرتے ہیں اور مقصد اپنے کو نمایاں کرنا ہوتا ہے اور شاباشی بٹورنا ہوتا ہے اور یہ سب وہ اس عمل پر چاہتے ہیں جو انہوں نے کیا ہی نہیں ہے، ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دردناک عذاب کا اعلان کیا ہے، سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۸۸ میں ہے: ''وہ لوگ اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو انہوں نے نہیں کیا اس پر بھی ان کی تعریفیں کی جائیں، آپ انہیں عذاب سے بری نہیں سمجھے، ان کے لیے تو دردناک عذاب ہے'' علامہ ابن عبد البرؒ نے ابوعمر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ علم کی برکت اس میں ہے کہ ہر چیز کو اس کے قائل کی طرف منسوب کیا جائے، چنانچہ امام قرطبیؒ نے تفسیر کے مقدمہ میں ہی یہ بات واضح کر دی ہے کہ میں اقوال کو ان کے قائلین کی طرف ہی منسوب کروں گا، امام نوویؒ نے بستان العارفین میں لکھا ہے کہ علماء کرام کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ وہ فوائد کو اس کے قائل کی طرف ہی منسوب کرتے ہیں، علامہ البانیؒ نے دوسرے کی چیزوں کو بغیر اس کی طرف منسوب کرنے کو چوری قرار دیا ہے، اور اسے شرعاً ناجائز بتایا ہے۔

سرقہ کی تفصیلات اور بھی ہیں، شریعت میں بعض شرائط و قیود کے ساتھ اس کے لیے ہاتھ کاٹنے تک کی سزا مقرر ہے اور ایک ہاتھ کاٹنے پر دوبارہ نہیں آیا تو یہ سزا اور حد دوبارہ بھی جاری کی جائے گی، میں بالکل یہ نہیں کہتا کہ اس مضمون میں سرقہ کی جتنی قسموں پر کلام کیا گیا ہے، سب حد کے دائرہ میں آتے ہیں، بعض میں حد ہے، بعض میں تعزیر ہے، اور بعض میں ہندوستانی قوانین کے اعتبار سے سزائیں مقرر ہیں؛ لیکن اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ چوری اور سرقہ چاہے جس قسم کا بھی ہو، یہ عند اللہ اور عند الناس مذموم عمل ہے، اس سے باز آنا چاہیے۔

اچھی باتیں

''دشمن سے ہمیشہ بچو اور دوست سے اس وقت جب وہ تمہاری تعریف کرنے لگے ☆ عقل مند اس وقت تک نہیں بولتا، جب تک خاموشی نہیں ہو جاتی ☆ مطالعہ قلم اور ادا ہی کا بہترین علاج ہے ☆ خدا کے دوستوں کی اندھیری رات بھی روز روشن کی طرح چمکتی ہے ☆ زندگی کی درازی کا راز صبر میں پوشیدہ ہے ☆ شیر سے پنجہ آزمائی کرنا اور تلوار پر مکہ مارنا عقل مندوں کا کام نہیں ☆ اگر چیونٹیوں میں اتحاد ہو جائے تو وہ شیر کی کھال اتار سکتی ہیں۔'' (حاصل مطالعہ)

بلا تبصرہ

''مسلم سماج کے بارے میں دو تین غلط فہمیاں عام ہیں، پہلی غلط فہمی یہ ہے کہ مسلم سماج فتوے سے چلتا ہے، دوسری غلط فہمی یہ ہے کہ وہ اپنے مذہبی رہنماؤں کے اشارے پر ووٹ کرتا ہے، تیسری غلط فہمی یہ ہے کہ وہ اپنے مسائل کو سامنے رکھ کر ووٹ نہیں دیتا، بلکہ اس کے لیے ترقی تعلیم اور صحت ایسے موضوعات نہیں ہیں جس پر وہ ووٹ دے، دو برسوں سے جیسا ہے ویسا ہی رہنا چاہتا ہے، حالاں کہ حقیقت یہ نہیں ہے۔'' (ہندوستان ۳۰؍ جنوری ۲۰۲۲ء صدر یکا ثانت دویدی)

Scanned with CamScanner

اللہ کی باتیں ـــــ رسول اللہ کی باتیں

مولانا رضوان احمد ندوی

موت کو یاد رکھو

''جولوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے اور دنیاوی زندگی پر راضی اور اسی پر مطمئن ہیں اور جولوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں، بلاشبہ یہی لوگ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے یعنی ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا'' (سورہ یونس، آیت:۸)

وضاحت : دنیاوی زندگی کی چمک دمک، عیش وتنعم اور آسائشوں نے انسان کو اس قدر اندھا کردیا ہے کہ اس کی نظروں میں آخرت کا تصور، قیامت کے دن کی ہولناکی اور اللہ کے سامنے جوابدہی کا احساس دھندھلا پڑتا جارہا ہے، بس وہ اسی چندروزہ زندگی کو مقصود بنالیا، سارا سب کچھ کرنا، دھرنا، خوشی وغم اور تگ ودو اسی زندگی کے لئے وقف ہوکر رہ گئی ہے، حرص وہوس میں ہر بات کو بھلا بیٹھا ہے اور نیک اعمال کی طرف سے غافل ہوتا جارہا ہے، لیکن جب اللہ ڈھیل دے دے کر اسے شکنجے میں کس لیتا ہے تو دیکھتے ہی دیکھتے آدمی کا سب کچھ چھن جاتا ہے، نہ مال ودولت باقی رہتا ہے اور نہ اثر واقتدار سارے ٹھاٹ اور ساری اکڑ ختم ہوجائے گی اور انسان اللہ کے حضور بے بس کھڑا ہوگا۔ اپنے مستقبل کے بارے میں وہ اتنا فکرمند ہوگا کہ اسے اپنے حال کی خبر ہی نہ ہوگی، حشر کے روز سورج کو قریب کردیا جائے گا، لوگ اپنے اعمال کے بقدر پسینہ میں ڈوبے ہوں گے، کوئی ٹخنوں تک اور کوئی گھٹنوں تک اور کوئی کمر تک پسینہ میں ڈوبا ہوا ہوگا، اسی طرح حشر کے میدان میں سب اپنے اپنے اعمال کے مطابق حیران و پریشان کھڑے ہوں گے، گویا اللہ نے انسانوں کو اس کے انجام سے آگاہ کردیا کہ تم صرف دیناوی زندگی پر مطمئن ہوکر نہ رہ جاؤ بلکہ اپنے کردار وعمل کا جائزہ لیتے رہو، گرچہ آیت میں یہ وصف کفار ومشرکین کا بتلایا گیا، لیکن مسلمانوں کو بھی اپنے عمل کا محاسبہ کرنا ہے، بلاشبہ عقیدے کی حد تک ہر مسلمان کا دل صاف وشفاف ہے کہ آخرت میں پیشی ہونی ہے، مگر ہمارے روزمرہ کے معمولات اور طرز زندگی اس کے برعکس معلوم ہورہے ہیں، ہم بھی غفلت کی چادر میں لپٹے ہوئے ہیں اور دنیاوی خرافات کو اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے، حالانکہ آدمی ہمیشہ سے سنتا آرہا ہے کہ سو برس کے سامان ہیں، پل کی خبر نہیں، مگر آنکھوں پر غفلت کے ایسے پردے پڑے ہوئے ہیں کہ جب وہ بے راہ روی میں مبتلا ہوجاتا ہے تو موت کو بھول جاتا ہے، آفتاب روز نکلتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ اے بندے جو نیک کام کرنا ہے کرلے آج کا دن پھر لوٹ کر نہیں آئے گا، حکم ہے کہ موت کو یاد رکھو اور اعمال حسنہ کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرو، قرآن مجید میں ہے کہ جو شخص نیک عمل لے کر آئے گا، اسے اس کا بدلہ ملے گا اور وہ لوگ اس دن کی ہولناکی سے بھی محفوظ رہیں گے۔

کاروبار سے بھی جڑیے

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رزق حلال کے لئے محنت ومزدوری کرنا فرائض کی ادائیگی کے بعد سب سے بڑا فریضہ ہے'' (بیہقی، شعب الایمان)

مطلب: رزق حلال کے لئے جدوجہد اور کوشش کرنا بھی عبادت ہے، انبیاء، علماء وصلحاء سبھوں نے جائز طریقوں سے کسب معاش کیا اور اللہ نے ان کو اس میں برکتیں عطا کیں، اس لئے اگر کوئی شخص اس سے پہلوتہی اختیار کرے گا یا غفلت وسستی برتے گا تو اندیشہ ہے کہ یا تو وہ حرام روزی سے پیٹ بھرے گا یا لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتا پھرے گا، جو انسانی غیرت وشرافت کے قطعی خلاف ہونے کے ساتھ ذلت ورسوائی کا باعث بھی ہے، ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ بعض لوگ برابر سوال کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ اللہ کے سامنے ایسی حالت میں حاضر ہوں گے کہ ان کے چہرے پر گوشت کا ٹکڑا نہ ہوگا، اس لئے اللہ نے اگر آپ کو صحت وتندرستی کی دولت عطا کی ہے تو سعی ومحنت کے ذریعہ کسب حلال کی تلاش میں رہے اور اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے اس کی زمین میں تگ ودو کیجئے، یقین مانئے کہ اللہ اپنے فضل وکرم سے کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکال دیں گے، جو لوگ محنت کررہے ہیں وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہورہے ہیں، اللہ نے رزق کے بہت سے دروازے کھولے ہیں، اس میں آپ اپنی قسمت آزمائیے، ملازمت ونوکری کے میدان کو بھی دیکھئے اگر اس میں کامیابی نہیں مل رہی ہے تو صنعت وحرفت اور تجارت وکاروبار کے میدان میں اتریئے، صرف ملازمت کی امید میں عمر کو ضائع کرنے سے بہتر ہے کہ کوئی چھوٹی موٹی پونجی سے ہی کاروبار کی ابتداء کیجئے اور اس کو بڑھایئے، اللہ نے کاروبار میں بڑی برکت رکھی ہے، مقصد صرف یہ ہے کہ خود کو کسی کام سے جوڑیئے، بیکار نہ بیٹھئے، بے روزگار تعلیم یافتہ نوجوانوں کو معاشی مصروفیات میں تو لگ ہی جانا چاہئے، اکثر وبیشتر ہمارے علماء سلف کسی نہ کسی پیشہ سے وابستہ رہے۔

شاید باید ہی کوئی ایسا صاحب علم ہے جو کسی نہ کسی پیشہ سے مشہور نہ ہو اور اس کی نسبت کسی پیشہ سے نہ ہو، اصحاب علم وفضل اپنے معاشی ذرائع کے نمایاں کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے اور ظاہر کرتے تھے کہ وہ کسی جماعت یا فرد پر بار بن کر زندہ نہیں ہیں، بلکہ اپنے کاروبار سے اپنی روزی حاصل کرتے تھے اور عزت نفس، معاشی وخوشحالی، استغنا اور خود اعتمادی کے ساتھ علم دین اور مسلمانوں کی خدمت کرتے تھے، علامہ تفتازانی زراعت وکاشت کاری کرتے تھے، امام ابوبکر محمد بن عبداللہ رنگ فروش تھے، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے بارے میں آتا ہے وہ تجارت کرتے تھے اس طرح کی سیکڑوں مثالیں مل جائیں گی، جہاں ہمارے اسلاف خود محنت ومزدوری کرکے ذرائع معاش حاصل کرتے تھے۔ اس لئے نوجوانوں کو زندگی کے عملی میدان سے دور نہیں رہنا چاہئے، بلکہ ان کو اسلاف کی طرح رزق ومعیشت کے بارے میں خود کفیل بننے کی کوشش کرنی چاہئے، تاکہ محتاجی سے محفوظ رہے اور شاہ راہ زندگی ترقی وخوشحالی سے ہمکنار ہو۔

دینی مسائل

مفتی احتکام الحق قاسمی

بارات کی شرعی حیثیت

س: بارات کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ بارات میں دوسو، تین سو آدمیوں کو لے کر جانا اور فرمائش کا کھانا بنوانا شرعاً درست ہے؟ دلہا کے ساتھ کتنے آدمیوں کو جانا چاہئے؟ عام طور سے لڑکے والے زیادہ بارات لے جانے پر دباؤ ڈالتے ہیں اور لڑکی والوں کو ان کی ضیافت پر مجبور کرتے ہیں۔

ج: بارات کا کتاب وسنت سے کوئی ثبوت نہیں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں شادی کی یہ شان نہیں تھی جو آج کل رائج ہے، حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے شادی کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدعو نہیں کیا بلکہ خبر تک بھی نہیں ہوئی اور نہ آپ نے اس پر کسی ناگواری کا اظہار فرمایا، لہذا لڑکے والوں کا باراتیوں کی لمبی تعداد لے کر جانا اور فرمائش کا کھانا بنوانا انتہائی مذموم اور رذیل وناپسندیدہ عمل ہے، جس کا ترک نہایت ضروری ہے، لڑکے والوں کا زیادہ بارات لے جانے پر اصرار کرنا اور لڑکی والوں کو ان کی ضیافت پر مجبور کرنا قطعاً جائز ودرست نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو آدمی بغیر دعوت کے گیا وہ چور بن کر داخل ہوا اور ڈاکو بن کر نکلا'': "من دخل على غير دعوة دخل سارقاً وخرج مغيرا" (سنن ابی داؤد: ۲/۵۲۵) دولہا کے ساتھ ان کے خاص آدمی باپ بھائی وغیرہ چند افراد حسب اطلاع چلے جائیں تو اس کی گنجائش ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں خرچ کم سے کم ہو: "ان اعظم النكاح بركة ايسره مؤنة" (مشكوة:۲۶۸)

جہیز کی شرعی حیثیت

س: شادی کے موقع پر لڑکی والوں سے لڑکے والوں کا سامان جہیز کی لمبی فہرست دے کر اپنی پسند کے سامان کا مطالبہ اور اس پر اصرار درست ہے یا نہیں؟

ج: لڑکی والے اپنی بیٹی کو شادی کے موقع پر ضروریات زندگی کا جو سامان اپنی حیثیت کے مطابق بلاکسی جبر ودباؤ کے اپنی خوشی سے نام ونمود اور رسم ورواج کی رعایت کئے بغیر دیدیں، شرعاً مباح ہے، لیکن لڑکے والوں کا لڑکی والوں سے سامان جہیز کا مطالبہ کرنا اور اپنی خواہش وپسند کے مطابق سامان دینے پر مجبور کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، یہ سراسر ظلم اور حد درجہ قابل مذمت ہے، کیونکہ شادی کے بعد بیوی کی تمام تر ضروریات فرنیچر، برتن وملبوسات وغیرہ کی فراہمی شرعاً شوہر کے ذمہ ہے: "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا لاتظلموا: ألا لايحل مال امرء الا بطيب نفس منه" (مشكوة المصابيح، باب الغصب والعارية:۲۵۵) "لايجوز لاحد من المسلمين اخذ مال احد بغير سبب شرعي" (شامی:۴/۶۱) "اخذ اهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج أن يسترده لانه رشوة" (الدر المختار مع رد المحتار:۴/۳۰۷)

نکاح سے قبل رشتہ ختم ہونے پر دیئے گئے تحفے کی واپسی

س: سلمٰی اور کلیم کے درمیان ان کے گارجین حضرات نے رشتہ نکاح طے کیا، تحفے تحائف کا تبادلہ ہوا اور دونوں نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق ایک دوسرے کے یہاں سے آنے والے مہمانوں کی بھرپور ضیافت کی، بعد میں کسی وجہ سے کلیم نے اس رشتہ سے انکار کردیا، اب سلمٰی کے گارجین حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ رشتہ ہم نے ختم نہیں کیا ہے، اس لئے ہم تحفے کے سامان واپس نہیں کریں گے، رشتہ کلیم نے ختم کیا ہے، اس لئے اس کو ہمارے تحفے اور ضیافت کے اخراجات واپس کرنے ہوں گے، شرعاً کیا حکم ہے؟

ج: نکاح سے قبل جو تحفے دیئے جاتے ہیں ان کی حیثیت شریعت میں ہبہ بالعوض کی ہے یعنی اس بنیاد پر دیئے جاتے ہیں کہ آئندہ دونوں میں نکاح ہوگا، لیکن جب نکاح سے پہلے رشتہ ٹوٹ گیا تو ایسی صورت میں ہبہ کا مقصد حاصل نہیں ہوا، لہذا فریقین تحفے کا سامان واپس لے سکتے ہیں اور ایسی صورت میں کسی ایک فریق کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ دوسرے کی دی ہوئی چیز ضبط کرلے اور اپنی دی ہوئی چیز واپس لے لے، بلکہ دونوں ایک دوسرے کے تحائف واپس کریں گے، البتہ واپسی ان ہی چیزوں کی ہوگی جو باقی ہوں، جو چیزیں ختم ہوگئی ہوں یا کھانے کی چیزیں کھاکر ختم کردی گئی ہوں ان کی واپسی نہیں ہوگی، اسی طرح ضیافت کے اخراجات کا بھی مطالبہ کسی سے نہیں ہوگا: "خطب بنت رجل وبعث اليها اشياء ولم يزوجها ابوها فمابعث للمهر يسترد عينه قائماً فقط وان تغير بالاستعمال او قيمته هالكا لانه معاوضة ولم تتم فجاز الاسترداد وكذا يسترد مابعث هدية وهو قائم دون الهالك والمستهلك لانه في معنى الهبة" (الدر المختار على صدر رد المحتار:۴/۳۰۴)

شادی کے بعد رشتہ ختم ہونے پر تحفے تحائف کی واپسی

س: انوری اور اکرم کے درمیان نکاح ہوا، کچھ دن ساتھ رہنے کے بعد نا اتفاقی پیدا ہوئی اور شوہر نے طلاق کے ذریعہ نکاح ختم کردیا، سوال یہ ہے کہ شوہر کے ذمہ بیوی کے تعلق سے کون کون سے حقوق واجب الادا ہیں، لڑکے کو شادی کے موقع پر لڑکی والوں کی طرف سے تحفے تحائف کے علاوہ نقد کی شکل میں پانچ لاکھ روپے بھی دیئے گئے تھے، اسی طرح لڑکی کو لڑکے والوں کی طرف سے زیورات ملے تھے، شرعاً کیا حکم ہے؟ باراتیوں کے کھلانے پر جو رقم خرچ ہوئی اس کا تاوان لڑکے والوں پر لازم ہے یا نہیں؟

ج: بعد طلاق شوہر پر بیوی کا پورا مہر ونفقہ عدت کی ادائیگی اور تمام سامان جہیز اور نقد رقم کی واپسی لازم وضروری ہے، شادی کے موقع پر لڑکی والوں کی طرف سے لڑکے کو جو تحفے دیئے گئے، اسی طرح لڑکی کو جو زیورات لڑکے والوں کی طرف سے تحفہ میں ملے ان کی واپسی نہیں ہوگی، نیز مہمانوں کی ضیافت میں جو اخراجات آئے ان کا تاوان لڑکے والوں پر لازم نہیں ہے: "واذا بعث الزوج الى اهل زوجته أشياء عند زفافها منها ديباج فلما زفت اليه أراد أن يسترد من المرئة الديباج ليس له ذلک، اذا بعث إليها على جهة التمليک" (الفتاوى الهندية: ۱/۳۲۷) "اخذا اهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج ان يسترده لانه رشوة" (الدر المختار على صدر رد المحتار: ۴/۳۰۷) ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

Scanned with CamScanner

امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار
نقیب

پھلواری شریف

جلد نمبر 62/72 شمارہ نمبر 05 مورخہ ۲۷ر جمادی الثانی ۱۴۴۳ھ مطابق ۳۱ر جنوری ۲۰۲۲ء روز سوموار

آن لائن تعلیم-مسائل ومشکلات

کورونا وائرس کی وجہ سے تعلیمی ادارے بند ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ مدارس اسلامیہ کا تعلیمی سال بندی میں ہی نکل جائے گا، ایسے میں بہت سارے لوگ آن لائن تعلیم کی وکالت کرتے ہیں، بلکہ بہت سارے ادارے عملاً آن لائن تعلیم کا اہتمام کر رہے ہیں اور مطمئن ہیں کہ تعلیمی نظام جاری ہے۔اس نظام کا آغاز پہلی بار ویسٹرن بی ہیورل سائنس انسٹی چیوٹ لاجولا کیلیفورنیا نے ۱۹۸۲ء میں کیا تھا اور اسکول آف مینجمنٹ اینڈ اسٹریجک اینڈ ریز میں اس کا تجربہ کیا اور کمپیوٹر کانفرنسنگ کے ذریعہ بزنس ایگزیکیٹو کی شروعات کی، ۱۹۸۹ء میں امریکہ کی فینکس یونیورسیٹی نے اسے اپنایا اور ۱۹۹۸ء آتے آتے امریکہ کی کئی بڑی یونیورسیٹیوں نے اسے اپنا لیا اور آن لائن تعلیمی سلسلہ شروع کیا، لیکن یہ طریقہ تعلیم اب تک اس قدر مقبول نہیں ہوا کہ اسکول وکالج کھولنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہو۔

ہندوستان میں بھی یہ طریقہ پہلے سے رائج ہے اور اعلیٰ نصاب کی تکمیل کے لئے اسے استعمال کیا جاتا رہا ہے، کیوں کہ اس کی وجہ سے مختلف علوم وفنون کے ماہرین سے استفادہ آسان ہوتا ہے، اس کی اسی اہمیت کے پیش نظر ہندوستان میں بڑے پیمانے پر اس کی مارکیٹنگ کی جاتی رہی ہے، ۲۰۱۶ء میں ہندوستان میں آن لائن ایجوکیشن کی مارکیٹ چوبیس کروڑ ستر لاکھ امریکی ڈالر تھی، اب کورونا وائرس کی وجہ سے اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوا ہے اور توقع کی جاتی ہے کہ ۲۰۲۲ء کے آخر تک یہ ۱۰۹۶ رارب امریکی ڈالر کی حد کو پار کرلے گا، تعلیم کی مارکیٹنگ کرنے والے اس پر پوری توجہ اس لئے بھی صرف کررہے ہیں کہ کلاس روم کے تعلیمی نظام کی بہ نسبت آن لائن تعلیم پر ایک سو پچہتر (۱۷۵) فی صد کم خرچ آتا ہے، لیکن یہ تصور کا ایک رخ ہے۔

دوسرا رخ یہ ہے کہ ہندوستان اب بھی غریب ملک ہے، یہاں یومیہ آمدنی فی کس لاک ڈاؤن کے پہلے بھی ۲-۳ امریکی ڈالر سے زیادہ نہیں تھی، ایک سروے کے مطابق ایسے لوگوں کی تعداد اکاسی کروڑ بیس لاکھ تھی، لاک ڈاؤن کے بعد ایسے لوگوں کی تعداد اکانوے کروڑ پچاس لاکھ ہوگئی ہے۔۲-۳ امریکی ڈالر کا مطلب آج کے اعتبار سے صرف دو سو انتالیس روپے ہے، اتنی کم آمدنی میں آدمی اپنی ضروریات زندگی کھانا، کپڑا اور مکان کے لئے فکرمند ہوگا، یا اپنے بچوں کو انڈرائیڈ موبائل ٹیبلیٹ یا لیپ ٹوپ خرید کر دیگا یا اور خرید بھی دے کسی طرح تو ماہانہ انٹرنیٹ کا خرچہ کہاں سے لائے گا، بھوکے رہ کر بچوں کے مستقبل کے لئے یہ سب کر بھی لے تو دیہات اور گاؤں میں موبائل چارج کرنے کے لئے بجلی کہاں سے دستیاب ہوگی، ان میں سے کوئی ایک بھی کڑی ٹوٹی تو آن لائن تعلیم سے فائیدہ اٹھانا بچوں کے لئے مشکل ہی نہیں ناممکن ہوجائے گا۔

آن لائن تعلیم کی حمایت کرنے والے بڑی آسانی سے کہہ دیتے ہیں کہ اب ہر شخص کے پاس انڈرائیڈ موبائل ہے، اس کا زمینی حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہے، ہندوستان جنگلوں اور دیہاتوں میں بھی بستا ہے، بلکہ ساٹھ سے ستر فی صدی آبادی وہیں بستی ہے، جہاں موبائل کا نیٹ ورک نہیں رہتا اور بجلی غائب ہوتی ہے تو ہفتوں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔

ان ساری مشکلات پر قابو پالیا جائے تو بھی آن لائن تعلیم کلاس روم کا بدل نہیں ہے، کلاس روم میں استاذ صرف پڑھاتا ہی نہیں، بچوں کی نفسیات اس کی حرکات وسکنات پر بھی نگاہ رکھتا ہے، اس کے ہوم ورک اور روزمرہ کی کاپیوں کو بچوں کے سامنے چیک کرکے ان کی غلطیوں کی نشان دہی کرتا ہے، بچے کلاس روم میں صرف استاذ کا لکچر ہی نہیں سنتے وہ اپنے ذہن میں اٹھنے والے سوالوں کے لئے بھی استاذ سے رجوع کرتے ہیں اور جواب پاتے ہیں، استاذ کے لکچر کی طرف طلبہ کی توجہ مرکوز ہوتی ہے۔

آن لائن کلاس میں بچہ گھر پر ہوتا ہے، اسے اسکول کا ماحول نہیں ملتا، گھر میں دوسرے بچے اور لوگ دوسری مشغولیت میں لگے ہوتے ہیں، گھر میں ہور ہے شور شرابے سے طلبہ کا ذہن اسباق پر مرکوز نہیں ہو پاتا، اساتذہ بھی طلبہ پر آن لائن کلاس میں توجہ نہیں دے سکتے، ان کی ساری توجہ اسکرین پر رہتی ہے، بچہ لیپ ٹاپ کے اسکرین پر بیٹھا کیا کررہا ہے، یہ استاذ کو معلوم نہیں ہوتا اور بیش تر گارجین کی دلچسپی اپنی کم علمی اور صلاحیتوں کے فقدان کی وجہ سے آن لائن کلاس کے وقت بچوں کی طرف نہیں ہوتی، وہ صرف موبائل یا لیپ ٹاپ پر اسے بٹھا کر مطمئن ہوجاتے ہیں اور بچے کارٹون اور ڈیجیٹل گیم میں لگ جاتے ہیں، جب کہ کلاس روم میں عموماً ایسا نہیں ہوتا۔

جو لوگ اس کام پر لگائے گئے ہیں وہ اساتذہ ہی ہیں، لیکن انہیں اس طریقۂ تدریس کی تربیت نہیں دی گئی ہے اور انہیں یوں ہی بورڈ اور اسکرین پر کھڑا کردیا گیا ہے، یہ عجیب وغریب بات ہے کہ کلاس روم میں پڑھانے کے لئے تو دو سال کی ٹریننگ ضروری قرار دی جائے اور آن لائن تعلیم کے لئے دس بیس روز کا تربیتی کورس بھی نہ کرایا جائے، یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ کلاس روم میں جو الٹا سیدھا استاذ پڑھا دیتا ہے اس کا کوئی رکارڈ نہیں ہوا کرتا، معلومات بچوں میں صحیح منتقل ہوتی ہے یا غلط اس کا جائزہ لینے والا کوئی نہیں ہوتا، لیکن آن لائن کلاس کا رکارڈ ہوتا ہے اور ہمیں اندیشہ ہے کہ بعض وجوہات سے ہماری جگ ہنسائی نہ ہو، جیسا کہ اساتذہ سے ذرائع ابلاغ والوں کے ذریعہ لئے گئے انٹرویو سے بار بار خفت کا سامنا کرنا پڑتا رہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ آن لائن تعلیم دلوا رہے ہیں اور ابتدائی نہیں اعلیٰ درجات میں ماہر پیشہ ور اساتذہ کو اس کام میں لگا رکھا ہے، وہ بھی اس طریقۂ تعلیم سے مطمئن نہیں ہیں، وہ اسے گپ شپ سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے، جب اعلیٰ درجات میں اس طریقہ تعلیم کا فائیدہ اس قدر نہیں ہوا کہ نصاب کو مکمل قرار دے کر امتحان لیا جائے اور بچوں کی کامیابی، ناکامیابی کی بنیاد پر ترقی کا فیصلہ لیا جائے، تو بھلا پرائمری اور ثانوی درجات کے بچے کس قدر اس طریقۂ تعلیم سے استفادہ کرسکیں گے، جگ ظاہر ہے۔

ایسے میں دو سطح پر کام کرنے کی ضرورت ہے، ایک یہ کہ جو اساتذہ آن لائن پڑھا رہے ہیں یا پڑھانا چاہتے ہیں، سرکاری سطح پر ان کی تربیت کا نظم کیا جائے، دوسرے کرونا وائرس سے بچنے کے لئے جو گائید لائن حکومت نے دیا ہے اس کی پابندی اور پاسداری کرتے ہوئے اسکول کو کھولا جائے، ثانویہ اور اعلیٰ درجات میں تو یہ چنداں مشکل نہیں ہے، جب کارخانے اور دفاتر پچاس فی صد کارکنوں کے ساتھ کھولے جاسکتے ہیں تو کئی شفٹ میں سوشل ڈسٹنسنگ کا خیال کرتے ہوئے تعلیمی ادارے اپنی سرگرمیاں کیوں نہیں جاری رکھ سکتے، ایسا لگتا ہے کہ سرکار کی نظر میں معاشی مسائل کے مقابلہ میں تعلیم کی بہت اہمیت نہیں ہے، اس لئے معاشی سرگرمیوں کے لئے چھوٹ دی جارہی ہے اور تعلیمی سرگرمیوں پر مضبوط پہرہ بحال رکھا ہے، اگر کورونا کا اتنا ہی ڈر ہے تو اساتذہ کو بھی اسکول ومدرسہ کی حاضری کا پابند نہیں کرنا چاہئے۔

شکرگذاری

اللہ رب العزت نے اس کائنات کو بنایا اور وہ تمام چیزیں فراہم کیں جو اسباب کے درجہ میں زندگی گذارنے کے لیے ضروری ہیں، پھر جب یہ کائنات سج سنور کر انسان کے رہنے کے لائق ہوئی تو حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا کو روئے زمین پر بھیجا؛ تاکہ اس دنیا میں نسل انسانی کو فروغ ہو اور یہ کائنات آباد وشاداب رہے، چنانچہ انسانوں نے پوری دنیا کو آباد کیا، قدرت نے جو زمین میں مخفی صلاحیتیں رکھی تھیں ان کو کام میں لاکر اسے ترقی کے بام عروج پر پہونچا دیا، اب انسان ظلوم وجہول یہ سمجھتا ہے کہ یہ سب میں نے کیا اور یہ ساری رونق ہمارے دم سے ہے، وہ یہ بھولتا جارہا ہے کہ یہ ساری چیزیں اللہ نے ہمارے لیے مسخر کی تھیں، اس لیے ہم اس کو کام میں لاکر نیا جہان بناتے رہے، لیکن اگر اللہ ہوا کو روک دیتا، آکسیجن ہماری ناک سے نہیں گذرتا، پانی کے سوتے خشک ہوجاتے، زمین سے غلے نہیں اگتے اور اردگرد کا ماحول خراب ہوتا تو ہم یہاں کام کیا کرتے؟ اپنی ہی زندگی دشوار تھی، ایسے میں انسان گھٹ گھٹ کر مرجاتا، اللہ رب العزت نے اپنی ان نعمتوں کے بارے میں واضح کیا کہ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کرسکتے، اللہ تعالیٰ نے سورہ رحمٰن میں اپنی مختلف قسم کی نعمتوں کا بار بار ذکر کیا اور فرمایا کہ تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

ان نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اللہ رب العزت کا شکر ادا کریں کہ اس نے ہمارے لیے ان چیزوں کو مسخر کردیا، اللہ رب العزت نے اس شکرگذاری پر نعمتوں میں اضافہ کا اعلان کیا ہے اور ناشکری پر سخت عذاب کی وعید وارد ہوئی، لیکن انسان انتہائی ناشکرا واقع ہوا ہے، عام حالات میں ان نعمتوں کی طرف اس کا ذہن منتقل ہی نہیں ہوتا، خیال اس وقت آتا ہے جب اک اک بوند پانی اور ایک ایک سانس کی لمبی قیمت چکانی ہوتی ہے اور تب جاکر انسان کی سمجھ میں آتا ہے کہ اگر ہم پوری زندگی ساری کائنات کی نعمتوں کو چھوڑ کر انہیں دو چیزوں کی شکرگذاری میں اپنا سب کچھ قربان کردیں تو بھی شکرادا کرنے کا ہم حق ادا نہیں کرسکتے، واقعہ یہ ہے کہ دنیا کے سارے درخت کا قلم اور تمام سمندر کے پانی کو روشنائی کے طور پر استعمال کرلیں تو بھی مالک حقیقی اور پروردگار عالم کا حق ہم ادا نہیں کرسکتے، اس لیے بندہ کو چاہئے کہ وہ ہر حال میں شکرادا کرتا رہے، مصیبت آئے تو صبر کرے اور آسائش میں ہو تو شکر کرے، پھر اس شکر کی ادائیگی کی توفیق بھی اللہ نے دی، اس لیے اس توفیق پر بھی شکرادا کرے اور کرتا رہے، فلاسفہ کے یہاں دور و تسلسل ممنوع اور محال ہو تو ہوا کرے، اللہ رب العزت کے شکر کے باب میں تو تسلسل ہی اصل ہے، ہر دم، ہر آن اور ہر وقت اللہ کی تعریف میں رطب اللسان رہے، یہی اللہ کا حق ہے اور بندے کی سربلندی کا مدار ومعیار بھی اسی پر ہے۔

تاریخ بدلنے کی مہم

بھاجپا دور حکومت میں ہر محاذ پر تاریخ بدلنے کی مہم چل رہی ہے، یوگی آدتیہ ناتھ کے ذریعہ شہروں کا نام بدلنا اسی مہم کا حصہ رہا ہے، تاریخ کو از سر نو لکھنے کا جو کام آر ایس ایس کے نظریہ ساز مفکرین نے شروع کردیا ہے، وہ بھی اسی نقطۂ نظر سے ہے، وزیر اعظم نریندر مودی جی کی سوچ یہ ہے کہ تاریخی عمارتوں میں بھی تبدیلی کی جائے اور اس پر درج سابقہ حکمرانوں کے بجائے وزیر اعظم کا نام اس پر کندہ ہو، ان کی تصویریں وہاں آویزاں ہوں، اس حوالہ سے پارلیامنٹ کی نئی عمارت کی تعمیر کا منصوبہ بنایا گیا اور ہندوستان میں جہاں ہر روز لاکھوں لوگ فاقہ کشی کے شکار ہوتے ہیں اربوں روپے اس کام پر لگایا جارہا ہے۔مودی جی وزیر اعظم رہیں یا نہیں، تاریخ یہی کہے گی کہ پارلیامنٹ کی موجودہ عمارت مودی جی کی دین ہے۔

پارلیامنٹ کے قریب ہی انڈیا گیٹ پر امر جوان جیوتی کے نام سے ایک شمع روشن تھی، ایسی شمع جو ہر وقت شہیدوں کی یاد میں جلتی رہتی تھی اور زائرین اس کو خاص کرکے دیکھنے جایا کرتے تھے، یہ شمع بنگلہ دیش کی آزادی کے وقت جن جوانوں نے قربانیاں دیں ان کی یاد میں ۲۶ر جنوری ۱۹۷۲ء کو اس وقت کی وزیر اعظم اندرا گاندھی نے روشن کیا تھا، ۲۶ر جنوری کو جشن جمہوریہ کی تقریب اسی کے سامنے کھلے میدان میں منعقد ہوا کرتی ہے، اس موقع سے انڈیا گیٹ واقع اس امر جوان جیوتی کے پاس وزیر اعظم جاکر ہر سال شہداء کو خراج عقیدت پیش کرتے رہے ہیں۔

لیکن تاریخ بدلنے کی اس مہم کے تحت اب یہ شمع انڈیا گیٹ پر بجھا دی گئی ہے، اب یہ شمع بجھنے کے بعد قومی جنگی یادگار (نیشنل وار روم) کے نام سے چار سو میٹر دور پر قائم میوزیم میں روشن ہوگی، اس یادگار عمارت کا افتتاح ۲۵ر فروری ۲۰۱۹ء کو وزیر اعظم نریندر مودی نے کیا تھا، انڈیا گیٹ کے پتھروں پر جن شہداء کے نام کندہ ہیں انہیں دھیرے دھیرے بھلا دیا جائے گا، کیوں کہ حکومت کی نظر میں وہ بنگلہ دیش کی آزادی میں شہداء کے نام نہیں بلکہ وہ پہلی جنگ عظیم اور اینگلو افغان جنگ کے مجاہدین ہیں، اس لیے نئے سرے سے اس کام کو شروع کیا گیا ہے، تاکہ آر ایس ایس اور بی جے پی کے لوگوں کو بھی مجاہدین کے طور پر پیش کیا جاسکے۔باخبر ذرائع کے مطابق اب تک پچیس ہزار نو سو بیالیس افواج کے نام کندہ کیے جاچکے ہیں، یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے، امر جوان جیوتی کے یہاں منتقل کرنے سے ممکن ہے اس یادگار کی اہمیت بڑھ جائے، لیکن انڈیا گیٹ کی اہمیت کم جائے گی، شاید یہی وجہ ہے کہ وزیر اعظم نے اس کے قریب ہی نیتا جی سبھاش چندر بوس کا مجسمہ نصب کیا ہے، اگر سارے مجاہدین کو نیشنل وار روم میں ہی جمع کرنا ہے تو پھر نیتا جی کو ہی کیوں اس اسمارک سے دور کیا جارہا ہے۔

Scanned with CamScanner

یادوں کے چراغ ✍: مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

مولانا محمد یحیٰ بھام

جنوبی افریقہ کے نامور عالم دین، امیر خدمت العوام، صدر لینیشیا مسلم اسکول، استاذ لینیشیا مسلم ایسوسی ایشن حضرت مولانا ابرار الحق حقی رحمۃ اللہ علیہ کے دست گرفتہ، اشرف المدارس اور جامع مسجد اشرفیہ کے بانی، برصغیر ہند و پاک اور بنگلہ دیش کے علماء، مدارس اور دینی اداروں کے قدرداں مولانا محمد یحیٰ بھام کا ۲ر جمادی الثانی ۱۴۴۳ھ مطابق ۶ر جنوری ۲۰۲۲ء کو طویل علالت کے بعد انتقال ہو گیا، ان کی رہائش جنوبی افریقہ کے شہر لینیشیا میں تھی، اور وہیں دعوت وتذکیر اور بیعت وارشاد کا کام کرتے تھے، دس سال سے زیادہ عرصہ سے وہ کڈنی کے مریض تھے اور روزانہ ڈائی لاسس ہوتا تھا، اس کے باوجود ان کی قوت فکر وعمل میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں تھی، جنوبی افریقہ کے علماء میں انہیں امتیاز حاصل تھا۔

مولانا یحیٰ بھام کے آبا واجداد اصلاً گجرات کے رہنے والے تھے، انہوں نے نقل مکانی کر کے لینیشیا کو اپنا مستقر بنایا، مولانا کی پیدائش وہیں ہوئی، مولانا نے اپنی تعلیم ادارہ دعوۃ الحق ہردوئی اور جامعہ عربیہ ہتھورہ باندہ سے مکمل کی اور ان بزرگوں کی مجلس سے جو کچھ پایا تھا اسے افریقہ کے مسلمانوں میں بانٹنے کے لیے پوری زندگی وہیں قیام کیا، جمعیت علماء جنوبی افریقہ ٹرانزوال سے بھی ایک عرصہ تک وابستہ رہے۔

جب جمعیت علماء ٹرانزوال نے ہندوستانی مدارس کے علماء کو شناخت نامہ دینا بند کر دیا تو انہوں نے جمعیت علماء کی اس فکر سے اختلاف کیا اور کئی بڑے علماء کے ساتھ انہوں نے بھی جمعیت سے علاحدگی اختیار کی اور سخت دباؤ کے باوجود علماء ومدارس کے لیے شناخت نامہ جاری کرنا شروع کیا اور پوری زندگی اس پر عامل رہے، بڑی مخالفت کے باوجود ان کے طرز عمل میں کوئی تبدیلی اور پائے ثبات میں کوئی لرزش نہیں آئی، وہ کہا کرتے تھے کہ میں مدارس کی چٹائی کا پروردہ ہوں، میں ان کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تو دو سطر کی کوئی تحریر بھی نہیں دے سکتا، میں اتنا تو کر ہی سکتا ہوں، میں اسے کرتا رہوں گا۔

مولانا کے اس طرز عمل سے ہندوستانی مدارس کے ذمہ داران اور علماء ان سے انتہائی قریب ہوتے چلے گئے اور کہنا چاہیے کہ ان کی حیثیت مرجع کی ہو گئی، جہاں علماء جا کر عافیت محسوس کرتے ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر ان کے گرویدہ ہو جاتے۔

جس زمانہ میں میری آمد ورفت جنوبی افریقہ تھی، سال میں کئی کئی ملاقاتیں ان سے ہو جاتیں، وہ امارت شرعیہ سے واقف تھے، اور اس کی خدمت کو محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، امارت شرعیہ کے لیے جو کچھ ان سے ممکن تھا، کیا کرتے تھے، کم سے کم اتنا تو ضرور کرتے تھے کہ ہم کسی سے ملاقات کریں تو اس کے سامنے مجھے اپنا تعارف نہ کرانا پڑے۔

مولانا یحیٰ بھام نے جنوبی افریقہ میں دینی علوم کے فروغ اور دعوت وتبلیغ کے میدان میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں، ان کی مسجد، مدرسہ اور خانقاہ بھی تھی اور انہوں نے جنوبی افریقہ جیسے ملک میں اسلامی شعار پر لوگوں کو باقی رکھنے کے لیے کامیاب جد وجہد کی، وہ وہاں کی دینی مجلسوں کی جان تھے، وہ ایک زمانہ تک ''خدمت العوام'' تنظیم کے امیر رہے، صدر لینیشیا مسلم اسکول کی حیثیت سے اسلامی ماحول میں بنیادی دینی تعلیم کے فروغ کے لیے کام کیا، ایک زمانہ تک لینیشیا مسلم ایسوسی ایشن میں استاذ کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں، اور کہنا چاہیے کہ پوری زندگی دعوت وتبلیغ، تعلیم وتدریس کے ذریعہ بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لانے کا کام کیا۔

لمبا قد، کھلتا رنگ، چوڑی پیشانی، گھنی ڈاڑھی، ابرو کشیدہ، پنج گوشی ٹوپی، کبھی کبھی سر پر عمامہ اس وضع قطع اور حلیہ میں مولانا انتہائی وجیہ نظر آتے، چہرہ پر ایک رعب، ہونٹوں پر تبسم کی غیر مرئی لہریں ہوتیں جو دیکھتا دیکھتا ہی رہ جاتا، جب تک کوئی دور دور سے دیکھتا تو مرعوب رہتا، قریب ہوتا تو ان کی شفقت بے پایاں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، شرعی علوم اور بدلتے ہوئے حالات پر ان کی گہری نظر تھی، حکمت ومصلحت اور حق گوئی کے مدارج ان کے یہاں الگ الگ تھے، کسی بھی حال میں وہ ان کو خلط ملط نہیں ہونے دیتے، وہ موبائل کے بہت استعمال اور سوشل میڈیا سے بہت جڑے رہنے کے قائل نہیں تھے، لیکن علماء کے لیے بے خبری کو مضر سمجھتے تھے، چنانچہ مختلف ذرائع سے وہ دنیا کے احوال سے واقف رہتے، نجی مجلسوں میں جچی تلی رائے دیتے، شیخ مجلس کی آراء بھی جاننا چاہتے، بات معقول ہوتی تو اپنی رائے بدلنے میں انہیں تامل نہیں ہوتا، ان کے چلنے پھرنے، بولنے چالنے سب میں تواضع کا غلبہ ہوتا، ان کے اندر علم کی بڑائی کا خیال نہیں تھا، وہ قرآن کریم کی آیت وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ کے قائل تھے، قرآن واحادیث کے علاوہ کسی اور چیز کو وہ آخری نہیں سمجھتے، علماء، فقہاء کی آراء کی ان کے نزدیک بڑی قدر تھی، وہ فقہ حنفی پر عامل تھے، لیکن اس میں متشدد نہیں تھے، اس سلسلے میں جو علماء کی رائے ہے کہ امکان دوسری طرف بھی حق کا ہے، البتہ ہم جس پر عامل ہیں وہ مرجح ہے، وہ اختلاف رائے کو انتشار کا ذریعہ بنانے سے پوری زندگی گریزاں رہے۔

ایسی بافیض شخصیت کا جدا ہونا علمی اور دعوتی میدان کا بڑا خلا ہے، جسے مدتوں محسوس کیا جائے گا، خصوصاً ہندوستانی مدارس کے لیے جنوبی افریقہ ان کی ذات شجر سایہ دار تھی، اس سایہ سے محرومی کے غم نے ان کی جدائی کے غم کو دوبالا کر دیا ہے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ مولانا کی خدمات کو قبول فرمائے، ان کے سیئات سے درگذر کرے، اور جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

کتابوں کی دنیا ✍: ایڈیٹر کے قلم سے

(تبصرہ کے لئے کتابوں کے دو نسخے آنے ضروری ہیں)

تنقید پارے

ڈاکٹر عشرت بیتاب بنیادی طور پر استاد ہیں، پوری زندگی سرکاری طور پر معلم رہے، پڑھا، پڑھایا، لڑکوں کو کام کے لائق بنایا، ان کی حیثیت مغربی بنگال خصوصاً آسنسول اور اس کے نواح میں مردم ساز استاذ کی رہی ہے، انہوں نے اپنی سرپرستی، سربراہی میں تربیت کر کے کتنوں کو ادیب، شاعر، مضمون نگار اور مقالہ نویس بنا دیا، میں نے بذات خود ان کے شاگردوں کو ان پر جان چھڑکتے دیکھا ہے، جان چھڑکنا ایک محاورہ ہے جو خدمت کے لیے آخر حد تک تیار رہنے کے لیے بولا جاتا ہے۔

ڈاکٹر عشرت بے تاب نے افراد سازی کے ساتھ کتاب کی تصنیف وتالیف پر بھی اپنی توجہ مرکوز رکھی، وہ مسلسل لکھتے رہے ہیں، پیرانہ سالی، ضعف ونقاہت، کمر کے درد، چلنے پھرنے میں دشواری کے باوجود آج بھی ان کا قلم رواں دواں ہے، ان کی کئی کتابیں، سفر جاری ہے، محب الرحمٰن کوثر۔ تخلیقی سفر ایک جائزہ، سہیل واسطی کے افسانے، ادبی میزان مقبول عام ہیں، مغربی بنگال کے ادبی افق کا وہ ایک روشن ستارہ ہے، ستارے کی روشنی بہت نہیں ہوتی؛ لیکن اندھیری رات میں اس کی روشنی گھٹا ٹوپ اندھیرے کو ہم پر مسلط ہونے سے محفوظ رکھنے کا کام کرتی ہے۔

تنقید پارے ڈاکٹر عشرت بے تاب کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے، جو قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے مالی تعاون سے اشاعت پذیر ہوا ہے، دو سو چھبیس صفحات پر مشتمل اس مجموعہ کی قیمت ایک سو تینتالیس روپے ہے، جو یقینی طور پر قومی کونسل کی ہدایت پر رکھی گئی ہوگی، ورنہ اتنی ضخیم کتاب اتنی کم قیمت پر اب کہاں ملتی ہے، طباعت ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی کی ہے، جس کی طباعت اور مارکیٹنگ مشہور ہے اور ان دنوں اہل قلم کی وہ پہلی پسند بن گئی ہے۔ ٹائٹل تجریدی آرٹ کا عمدہ نمونہ ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ سے آبشار جاری ہے اور وہ اوپر سے نیچے کی طرف آ کر زمین پر پھیلتا جا رہا ہے، تجریدی آرٹ کے سلسلے میں، میں انتہائی بدذوق واقع ہوا ہوں، شاید اس آرٹ سے قارئین کو یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ مصنفین کے اعلیٰ ارفع خیالات کو تبصرے، تجزیے، طنز ومزاح، گوشۂ اطفال، شخصیات اور شعری ونثری ادب کے ذریعہ عام قاری کو سمجھانے کے لیے پانی کی طرح رواں دواں کر دیا ہے، اب جس کا جی چاہے اس سے فیض پالے۔

کتاب کا انتساب ڈاکٹر عشرت بے تاب نے بیٹیوں کے نام نہیں بہوؤں کے نام کیا ہے، ان کا احساس ہے کہ وہ ان کے لیے بیٹیوں سے کم نہیں ہیں، بیٹیاں جب سسرال چلی جاتی ہیں تو ساری خدمت بہوئیں ہی کرتی ہیں، جو عقل مند ہوتے ہیں وہ بہوؤں کو بیٹیاں ہی سمجھتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی محبت بوڑھے سسر کو حاصل ہو جاتی ہے، عشرت بے تاب صاحب کے عقل مند ہونے میں کسی کو کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

پوری کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے، شروع کے تین ابواب شخصیات، شعر وادب اور تبصرہ میں چھ چھ مضامین شامل ہیں، چوتھا باب اطفال سے متعلق ہے، اس میں چار مضامین ہیں، آخر کے دو باب میں امام اعظم کو ہمہ جہت شخصیت کا مالک، مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی کو قد آور شخصیت، عاصم شہنواز کو فعال اور متحرک، شمیم انجم وارثی کو انفرادی شخصیت، ڈاکٹر علی شیر خان کو وقت کا بشر، اور انجم روحان کو نئی نسل کا نمائندہ فنکار قرار دیا گیا ہے، شعر وادب کے باب میں انتظار حسین، پریم چند، شان بھارتی، خان شین کنور، امان اللہ ساغر اور طلعت انجم فخر کی شعری وادبی جہات کو موضوع سخن بنایا گیا ہے۔ تبصرہ کے باب میں امام اعظم کے تمثیل نو، حسین الحق کے اردو فکشن ہندوستان میں اور سید شاہد اقبال کی نثر تحقیق کے در وبست کا جائزہ لیا گیا ہے، مناظر عاشق ہرگانوی کی افسانوی جہتیں، ادبی آبیاری اور ان کے افسانے اور تجزیے نامی کتاب پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے، یہ تینوں کتابیں علی الترتیب عدد امناط صفی الرحمٰن راعین اور عرش منیر کی ہیں۔

باب اطفال میں مناظر عاشق ہرگانوی کو بچوں کی نفسیات کا عالم، رونق جمال کو بچوں کا من پسند ادیب، نذیر احمد یوسفی کو گنجینۂ اطفال کا ایک روشن باب اور معراج احمد معراج کو گلشن اطفال کا نمائندہ فنکار قرار دیا گیا ہے، اس باب کے مندرجات شخصیات والے باب میں سما سکتے تھے، الگ کرنے کا مقصد شاید یہ ہو کہ ادب اطفال کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرائی جا سکے۔

تجزیہ کے باب میں اشتیاق سعید کے حاضر غائب، مشتاق انجم کے خواب دریچہ اور سلیم سرفراز کے بد دعا کرنے والے پر ڈاکٹر عشرت بے تاب نے قلم اٹھایا ہے، یہ باب تبصرہ نہیں بھی ڈالا جا سکتا تھا۔

طنز ومزاح میں پطرس بخاری، مناظر عاشق ہرگانوی اور باز غ بہاری کے طنز ومزاح کا فنی اور تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے، اس باب کو تبصرے میں شامل کرنے سے کتاب سہ بابی ہو سکتی تھی۔

کتاب کے مندرجات علمی ہیں؛ لیکن شکوہ یہ ہے کہ پروف پر توجہ بالکل نہیں دی گئی ہے، بے پناہ غلطیاں رہ گئی ہیں، جس کی وجہ سے قاری کا ذہن بوجھل ہوتا ہے، ملنے کے پتے آٹھ درج ہیں، اگر آپ پٹنہ میں ہوں تو کتاب گھر، سبزی باغ۔ کولکاتہ میں ہوں تو عثمان بک ڈپو، کولوٹولہ اور آسنسول میں ہوں تو حنفی بک ڈپو، ریل پار کے ٹی روڈ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

قسط نمبر-۲۸

حجۃ الاسلام الامام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: بحیثیت خطیب

☆حضرت مولانا محمد شمشاد رحمانی قاسمی نائب امیر شریعت امارت شرعیہ بہار اڈیشہ وجھارکھنڈ☆

"الفضل ما شهدت به الأعداء." "مباحثہ شاہجہانپور کے موقعہ پر ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک دن موتی میاں حضرت نانوتویؒ کے پاس آئے اور حضرت سے فرمایا: پادری اسکاٹ صاحب آپ کی تعریف کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ اس شخص کی باتیں بہت ٹھکانے کی ہیں، یہ مولوی نہیں، صوفی مولوی ہے۔ مولوی سخاوت حسین سہسوانی وکیل عدالت دیوانی بھی اس وقت اتفاق سے آنکلے وہ بھی فرمانے لگے کہ پادری صاحب مولوی محمد قاسم صاحبؒ کو کہتے تھے کہ یہ شخص صوفی مولوی ہے۔ ادھر اثناء جلسہ میں جب مولوی صاحب کھڑے ہوتے تھے تو تمام جلسہ میں ایک سکتہ کا عالم ہوجاتا تھا، اور جب مولوی صاحب کسی تقریر سے فارغ ہوتے تھے، تو اکثر صاحبوں کی زبان سے صدائے آفرین وتحسین سنائی دیتی تھی۔

غرض غلبۂ جانب اسلام ایسا نمایاں تھا کہ بجز انصاف حاضرینِ جلسہ میں سے کوئی شخص اس کا انکار نہیں کرسکتا تھا۔ شاید یہ ثمرۂ انکسار مولوی صاحب اور دعائے اہل اسلام تھا۔

مولوی صاحب نے جب سے شاہ جہاں پور کا ارادہ کیا تھا، جس سے ملتے تھے، یا جسے اہل علم سمجھتے تھے، استدعائے دعا کرتے تھے۔ خود یہ کہتے تھے کہ ہرچند ہماری نیت اور ہمارے اعمال اسی قابل ہیں کہ ہم مجمع عام میں ذلیل وخوار ہوں؛ مگر ہماری ذلت وخواری میں اس دین برحق کی ذلت اور اس پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذلت متصور ہے، جو تمام عالم کا سردار اور تمام انبیاء کا قافلہ سالار ہے، اس لیے خود بھی یہی دعا کرتے تھے اور اوروں سے بھی دعا کراتے تھے کہ الٰہی ہماری وجہ سے اپنے دین اور اپنے حبیب پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ذلیل وخوار مت کر، اپنے دین اور اپنے حبیب پاک کی بدولت اور طفیل میں ہم کو عزت اور افتخار سے مشرف فرما۔ (مباحثہ شاہجہانپور: ۱۰۰ تا ۱۰۱)

شاہجہانپور کے بازاروں میں مولوی صاحب اور ان کے رفقاء کو نکلنے کا اتفاق ہوا، تو ہندو دکانداروں کی بھی انگلیاں اٹھتی تھیں، اس کے بعد ضلع سہارنپور میں بعض صاحب وہاں سے پھر کر آئے، تو مولوی ذوالفقار علی صاحب، ڈپٹی انسپکٹر مدارس سرکاری ضلع سہارنپور ساکن دیوبند نے ان سے فرمایا کہ: ایک صاحب لیکھراج نام ساکن سہارنپور ہیں، ان کو بھی اس قسم کی تحقیقات کا شوق ہے، منشی پیارے لال صاحب کی ان سے خط وکتابت بھی تھی اور اس دفعہ وہ خود بھی اس میلہ میں تشریف لے گئے تھے، بعد مراجعت میری ان کی ملاقات ہوئی، تو انہوں نے بھی ایسا ہی بیان کیا، جیسا اہل اسلام نے آکر بیان کیا تھا؛ بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی بیان کیا کہ ایک مولوی صاحب قاسم علی نام اسی طرف کے تھے، ان کا حال کیا بیان کیجئے، ان کے دلیر تو سرستی بول رہی تھی، مولوی صاحب کے فرمانے سے معلوم ہوا کہ "سرستی" زبان سنسکرت میں "علم کی دیوی" کو کہتے ہیں۔

"پٹھان جیتے" علی ہذا القیاس بعض صاحب جو بعد اس واقعہ کے ملے، تو ان سے معلوم ہوا کہ وہ بھی ساکن شاہجہاں پور ہیں اور وہ میلہ میں بھی تشریف لے گئے تھے، ان کو، یا ان کے بعض آشناؤں کو میلہ میں برخاستگی سے اگلے روز آنے کا اتفاق ہوا، راہ میں ہندو گنوار جو ملے، ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: پٹھان جیتے، چوں کہ شاہجہاں پور میں اہل اسلام اکثر پٹھان ہی ہیں؛ چنانچہ اسی وجہ سے وہ شہر پٹھانوں کا مشہور ہے، تو ہندو گنوار سب ہی اہل اسلام کو جو میلہ میں آئے، پٹھان سمجھتے تھے (مباحثہ شاہجہانپور: ۱۲۹، ۱۳۰)

بے حد لمبی تقریر: لکھنؤ کے ایک مشہور عالم اور طبیب جن کا نام مولانا حکیم عبدالسلام تھا جو واجد علی شاہ اودھ کے کسی زمانہ میں طبیب خاص بھی رہ چکے تھے، ان کو الامام الکبیرؒ سے ملنے کا شوق تھا، جو پورا نہ ہوتا تھا، اسی زمانہ میں جب سانس کے دورے جلد جلد پڑنے لگے تھے اور علاج کے لیے دیوبند ہی میں حضرت الامام الکبیرؒ کا قیام تھا، یہ حکیم صاحب وہیں پہنچے، وہ چاہتے تھے کہ کسی اہم علمی مسئلہ پر براہِ راست حضرتؒ کی تقریر سے مستفید ہوں، لیکن اس زمانہ کی حالت ایسی تھی کہ اس قسم کی تقریر کا بار ڈالنا کوئی پسند نہ کرتا تھا، مگر حکیم صاحب کی خوش قسمتی تھی کہ مجلس مبارک میں جس وقت حاضر ہوئے ایک صاحب سہارنپور کے بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کسی پادری کے اعتراض کا ذکر چھیڑ دیا کہ قرآن ہی میں ہے کہ خدا کے کلام کو کوئی بدل نہیں سکتا، اور اسی میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تورات وانجیل میں تحریف کی گئی ہے، لکھا کہ اعتراض کا سننا تھا کہ حضرت الامام الکبیرؒ پر جوش کی سی ایک کیفیت طاری ہوگئی، اس کے بعد کیا ہوا؟ امیر شاہ خان صاحب راوی ہیں کہ: "دن کے آٹھ بجے سے کھانے کے وقت تک تقریر فرمائی۔ ظہر کے بعد حکیم عبدالسلام نے پھر یہی مضمون چھیڑ دیا اور مولانا نے ظہر سے عصر تک یہی مضمون بیان فرمایا اور مغرب سے عشاء تک یہی مضمون بیان فرمایا اور عشاء کے بعد پھی یہی مضمون شروع کردیا"۔

پھر اس کا سلسلہ کہاں تک دراز ہوا امیر شاہ خان صاحب کہتے تھے کہ: "جب رات کے بارہ بج گئے تب میں نے زور سے کہا کہ حکیم صاحب اٹھئے بہت دیر ہوگئی اور اب مولانا کو آرام کرنے دیجئے تب حکیم صاحب اٹھے اور تقریر ختم ہوئی"۔

دو سال کی طویل علالت کا یہ آخری زمانہ ہے مرض بھی دمہ اور ضیق النفس کا اس سب کے باوجود آٹھ بجے دن سے رات کے بارہ بجے تک بجز ضروری وقفوں کے ایک ہی موضوع پر آپ مسلسل تقریر فرماتے رہے اور بقول امیر شاہ خان صاحب کے "اثنائے تقریر میں ایک مرتبہ بھی کھانسی نہ اٹھی اور تقریر کی برجستگی میں ذرا خلل بھی نہیں آیا" (سوانح قاسمی: ج ر۲، ص ر۹۸ تا ۱۰۰)

حکیم الاسلامؒ نے سوانح قاسمی کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ: میں نے خود بھی یہ واقعہ بہت تفصیل کے ساتھ حاجی امیر شاہ خان صاحب کی زبان سے سنا ہے۔ حضرت الامام الکبیرؒ کی تقریر کا ماحصل یہ تھا کہ قرآن کلام اللہ ہے جس کا تکلم حق تعالیٰ نے فرمایا ہے گو اسے لکھ بھی دیا گیا ہے، جس سے اس کو کتاب مرقوم بھی فرمایا گیا ہے، اور تورات وانجیل کتب الٰہیہ ہیں کلام نہیں ہیں، کلام صفتِ خداوندی ہے جس میں تبدیل وتغیر ناممکن ہے۔ کتب اور مضامین میں تبدیلی اور ضیاع ممکن ہے۔ نیز کلام تکلم کے بعد جو اور فضاء میں محفوظ ہوجاتا ہے، جسے کوئی مٹا نہیں سکتا (چنانچہ آج سائنسدانوں نے اسے تسلیم کرلیا ہے کہ بنی آدم نے اپنی ابتداء آفرینش سے جو کلام کئے ہیں وہ سب جو میں محفوظ ہیں، ماہرین سائنس مدعی ہیں کہ ہم نے آلات کے ذریعہ یہ قدیم آوازیں سن لی ہیں، مگر شور کی شکل میں ایک کلام کو دوسرے کلام سے ہم تمیز نہیں کرسکے۔ لیکن اس تمیز کے حاصل کرنے کے لئے مساعی اور تجربات جاری ہیں، اور ہم عنقریب دنیا کو وہ خطبہ سنوادیں گے جو حضرت مسیح علیہ السلام نے حواریوں کے سامنے ارشاد فرمایا تھا) جس سے اندازہ کرلیا جائے کہ جب مخلوق کا کوئی بولا ہوا کلام ضائع نہیں ہوسکتا، اسے فضاء نے چوس رکھا ہے اور وہ اس کے خلاء میں محفوظ ہے، تو خالق کے بولے ہوئے کلام کو کون سی طاقت ہے کہ فناء کردے یا بدل ڈالے، لیکن کتاب یا مضمون بدلا بھی جاسکتا ہے اور ضائع بھی ہوسکتا ہے۔ (سوانح قاسمی: ج ۳ رحاشیہ: ۹۹، ۱۰۰)۔ (الامام الکبیر: ۵۵۴، ۵۵۵)

حکایات اہل دل

✍: مولانا رضوان احمد ندوی

علماء ربانی یاد الٰہی میں مستغرق اور محبت الٰہی میں سرشار ہوتے ہیں، ان کی صدق واخلاص بے مثال اور ان کے کشف وکرامات بڑے ہی کیف آور ہوتے ہیں جن کے پڑھنے سے ایمانی حرارت پیدا ہوتی ہے، اسی نیک مقصد کے تحت حکایات اہل دل کے عنوان سے لکھنے کا ایک سلسلہ شروع کیا گیا ہے تاکہ اس کی روشنی میں ہم اپنی زندگیوں کو بنا، سنوار سکیں، تو آئیے! بزرگوں کے اثرانگیز واقعات سے استفادہ کریں۔

بسم اللہ کی برکت

بشر حافیؒ کا واقعہ: بشر حافیؒ ایک مرتبہ کہیں جارہے تھے کہ راستہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا کاغذ کا ایک ٹکڑا زمین پر گرا ہوا دیکھا، انہوں نے اسے بڑی عزت اور ادب سے اٹھالیا، اس وقت ان کے پاس صرف دو درہم تھے اور کچھ نہ تھا، انہوں نے ان دو درہموں کا عطر خریدا اور اس کاغذ پر پورا عطر مل کر اسے خوشبودار بنادیا اور حفاظت سے رکھدیا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے بشر حافی! تونے جس طرح میرے نام کی عزت کی ہے، میں اسی طرح دنیا اور آخرت میں تیرے نام کو روشن کروں گا۔

ابو مسلم خولانیؒ کا واقعہ: ابو مسلم خولانیؒ سے ان کی ایک باندی دشمنی رکھتی تھی اور کھانے پینے کی چیزوں میں زہر ملادیتی اور ابو مسلم اسے کھاتے مگر ان پر اس کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا، کافی وقت اسی طرح گذر گیا پھر اس باندی نے خود ہی ایک مرتبہ ابو مسلمؒ سے کہا میں آپ کو کافی دنوں سے کھانے میں زہر ملا کر کھلاتی ہوں، کیا بات ہے کہ آپ پر اس کا اثر نہ ہوا؟ ابو مسلم نے پوچھا کہ آخر تو زہر ملا کر کیوں کھلاتی ہے؟ اس نے کہا کہ آپ بوڑھے وضعیف ہوگئے ہو، میں چاہتی ہوں کہ آپ سے جلدی الگ ہوجاؤں، ابو مسلم نے فرمایا کہ زہر کا اثر اس لئے نہیں ہوتا تھا کہ الحمد للہ جب بھی میں کوئی چیز کھاتا یا پانی پیتا ہوں تو بسم اللہ پڑھ لیتا ہوں اور پھر اس باندی کو آزاد کردیا تاکہ جہاں چاہے نکاح کرلے اور اس سے کوئی انتقام بھی نہ لیا۔ (قلیوبی، ص: ۵۳)

ایک قاضی کی مغفرت کا واقعہ: ایک قاضی صاحب کا انتقال ہوگیا، ان کی بیوی حاملہ تھی، اسے لڑکا پیدا ہوا، جب بچہ ہوشیار ہوا تو اس کی ماں اسے مدرسہ میں پڑھنے کے لئے لے گئی، استاذ نے اسے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھائی، بچہ کے بسم اللہ پڑھتے ہی اللہ تعالیٰ نے اس کے باپ سے عذاب اٹھالیا اور فرمایا کہ اے جبرئیل! ہماری رحمت کے لائق نہیں ہے کہ اس کا بچہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر یاد کرے اور ہم اس کے باپ کو عذاب میں رکھیں، سچ ہے کہ بسم اللہ میں بہت ہی برکت ہے۔ (حکایات قلیوبی، ص: ۳۸)

قلب ذکر اللہ میں مشغول

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خدام میں ایک صاحب دل ہر وقت ذکر اللہ میں مشغول رہتے، ذکر اللہ ان کے رگ وپے میں ایسا رچ بس چکا تھا کہ سوتے، جاگتے، ان کی زبان اور قلب ذکر اللہ میں مشغول رہتے۔

ایک مرتبہ ان کی آنکھ میں پانی اتر آیا، آپریشن کی ضرورت آن پڑی، جب اسپتال میں گئے، تو ڈاکٹر نے کہا کہ دیکھئے بالکل خاموش رہئے گا، ہلنا، جلنا بالکل نہیں ہوگا، پہلے میں آپ کو بے ہوش کروں گا، اس کے بعد آپ ۱۲ رگھنٹے تک حرکت نہ کریں، انہوں نے کہا بہت اچھا: ڈاکٹر نے بے ہوشی کی دوا دی، بے ہوش ہونا تھا کہ ایک دم قلب سے لا الہ الا اللہ کی آواز آنے لگی، اس نے کہا یہ کیا کرتے ہو؟ اب انہیں کیا خبر کہ کیا ہورہا ہے؟ وہ تو بے ہوش تھے، آخر میں ان کو ہوش میں لایا گیا، ڈاکٹر نے کہا کہ یہ کیا کررہے ہو، انہوں نے کہا کہ کیا ہوگیا؟

ڈاکٹر نے کہا کہ آپ تو اللہ اللہ کررہے تھے، انہوں نے کہا، مجھے تو کچھ بھی خبر نہیں، پھر ڈاکٹر نے کہا کہ اللہ اللہ کرنے کے لئے ساری عمر پڑی ہے، کم سے کم اس وقت تو خاموش رہئے، اس نے پھر بے ہوش کیا، پھر قلب سے اللہ اللہ کی صدا بلند ہونے لگی، آخرکار ڈاکٹر نے کہا کہ میں اس حالت میں آپریشن نہیں کرسکتا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی آنکھ نہ بن سکی، جب مومن بندہ بیداری میں ذکر اللہ کرتا ہے تو پھر بلا ارادہ غیر شعوری حالات میں اس کی زبان پر ذکر اللہ کا ورد جاری ہوجاتا ہے۔

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

ایک نوجوان شاعر بڑا شہرت پسند واقع ہوا تھا، وہ یہ چاہتا تھا کہ سو سال کا سفر رات بھر میں طے کرلے اور صاحب دیوان شاعر بن جائے، ایک دن اپنا دیوان اپنے استاذ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا کہ کمزور اشعار کی نشاندہی فرمادیں، جس شعر کا وزن قافیہ سے نہ ملے وہاں پر صلیب (×) کا نشان بنادیں، اصلاح کے بعد استاد کے پاس سے جب اپنا دیوان لے کر دیکھا تو اس میں کہیں بھی صلیب کا نشان نہیں پایا، اپنے علم وفہم پر بڑا خوش ہوا اور اپنے استاد سے فخریہ کہا کہ میرا کوئی شعر لائق اصلاح نہیں ہے، استاد نے جو بڑے ظریف الطبع اور نکتہ رس تھے، جواب دیا کہ اگر میں تمہاری خواہش کے مطابق غلط اشعار کے لئے صلیب کا نشان بناتا تو تمہارے دیوان اور عیسائیوں کے قبرستان میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا علم وفن کی راہ کا سفر مشقت آمیز ہوتا ہے، عمر کے ایک خاص مرحلہ میں ہی آدمی علم وفن کی بلندیوں کو چھو پاتا ہے، علامہ اقبال نے کہا

زندگی کچھ اور شئی ہے علم ہے کچھ اور شئی
زندگی سوز جگر ہے علم ہے سوز دماغ

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

دعوت دین کی راہ میں دینی مدارس کا مطلوبہ کردار

مولانا وصی سلیمان ندوی

دعوت دین کا مبارک کام ملت اسلامیہ کی اولین ضرورت اور ترقی کی شاہ کلید ہے، دنیا بھر میں اسلام اور مسلمانوں کی قوت، بیداری اور نمو کا انحصار اس بات پر ہے کہ اسلامی دعوت کا سیل رواں ہر خشک اور بنجر زمین پر ٹوٹ کر برسے اور اسے سیراب کردے، دین کے داعی اور سپاہی دنیا بھر میں پھیل کر شہادت حق کا فریضہ اس بلند آہنگی کے ساتھ انجام دیں کہ خزاں رسیدہ دنیا میں بہار آجائے اور اس کو گوشہ امن و عافیت نصیب ہو جائے، جس طرح یہ کام ہمارے قومی، ملی اور سماجی مسائل کا حل اور علاج ہے اسی طرح یہ کام ملت کے ہر طبقہ اور ہر جماعت سے مطلوب ہے، اس کی نوعیت الگ الگ ہو سکتی ہے، لیکن دعوتی ذمہ داری سے راہ فرار کسی بھی صورت میں ناقابل قبول ہے۔

ہندوستان کی ملت اسلامیہ میں اسلام کی جو رمق ہے اور ان کی زندگوں میں جو دین داری ہے وہ بلاشبہ دینی مدارس کا فیض اور ان سے وابستہ علماء کرام کی کوششوں کا ثمرہ ہے، اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اس ملک میں مسلمانوں کی کسی بھی قیادت کے لئے دینی مدارس سے وابستہ حضرات ہی مؤثر ہوتے ہیں اور ان کی قیادت کے بغیر کوئی بھی تحریک کامیابی کا چہرہ بمشکل دیکھ پاتی ہے۔ دین و شریعت اور خدمت اسلام کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو مدارس کے علماء نے تشنہ چھوڑا ہو، ان حضرات کے نزدیک دعوت کا کوئی محدود مفہوم نہیں رہا ہے، وہ حالات کے تحت خدمت دین کا جو تقاضا بھی سامنے آتا رہا ہے اس پر لبیک کہتے رہے ہیں اور خدمت اسلام کا یہ سلسلہ تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔ اس لئے برادران وطن اور اقوام عالم میں دعوت دین کے کام کو مسلسل و منظم کرنے کے لئے بھی مدارس کے ماحول سے ہی توقع کی جانی چاہئے۔

دعوت دین کے سلسلہ میں بھی کسی بڑی کامیابی کے لئے مدارس اسلامیہ کا کردار لازمی ہے اور ان کی بھرپور فعال شرکت کے بغیر بڑی فتوحات حاصل نہیں کی جا سکتیں۔ لہذا مدارس اسلامیہ میں دعوتی ماحول کی فراہمی، دعوتی تجرات کی روشنی میں دعوتی کام کا طریق، اس کی نزاکتیں، اس سے متعلق مسائل و مشکلات کے ساتھ، اس راہ کی ضروریات پر توجہ دینے کی خاص ضرورت ہے۔

جدید تہذیب اور افکار و معتقدات کے موجودہ طوفان کا رخ موڑنے کے لئے نظریات کا علم ضروری ہے، ان زبانوں پر عبور بھی درکار ہے جن کے سہارے یہ افکار و نظریات پھیل رہے ہیں، پھر ان زبانوں کے ذریعہ اقوام و ملل سے تخاطب کی صلاحیت درکار ہے، پھر اس کے بعد میدان عمل میں اترنے کا مرحلہ آتا ہے، اس لئے کہ انبیاء کرام کی زندگی کا بڑا حصہ غیر مسلموں سے گفتگو، دعوت یا کشمکش میں گذرا ہے، ظاہر ہے کہ اس زندگی کی کوئی جھلک علماء کرام کی زندگیوں میں بھی آنی چاہئے۔

ختم نبوت کے صدقہ میں جب اس پوری امت کو داعی مقرر کیا گیا ہے تو ضروری ہے کہ ہم سب کو اس کا شعور بھی ہو، ہمارے اندرون میں یہ احساس کچوکے لیتا ہو کہ اب تک ہماری دعوتی ذمہ داری کے نتائج نکلے ہیں اور کتنے لوگ ابولہب کے خیمہ سے نکل کر شریعت محمدی سے وابستہ ہوئے ہیں، ہمیں یہ بھی معلوم ہو کہ کسی نئے مدعو کو دعوت کیا دینی ہے، کیسے دینی ہے، قرآن کریم کی کون سی آیات استدلال میں مؤثر ہوتی ہیں، سیرت نبوی کے کون سے واقعات اس راہ میں کام آسکتے ہیں، کس جگہ کون سا اسلوب درکار ہے، کسی کو کلمہ کیسے پڑھانا ہے، اس کے سلسلہ میں بات کہاں سے شروع کرنی ہے اور کہاں ختم کرنی ہے، اگر مدعو مثبت ذہنیت کے ساتھ کچھ سوالات رکھے یا اسلامی نظام کے بارے میں کچھ شکوک و شبہات کا حل چاہتا ہو تو کون سا طریقہ اپنایا جائے، وہ کون سے سوالات ہیں جو اس راہ میں اکثر پوچھے جاتے ہیں۔

یہ اور اس طرح کے متعدد سوالات ہیں جن کے جواب ملت کے ہر فرد کو ایک داعی ہونے کی وجہ سے معلوم ہونے چاہئیں، لیکن مدارس کی چہار دیواری میں تو اس سلسلہ کی تحقیقی معلومات اور میٹریل موجود ہونا چاہئے، غور کرنے کا مقام ہے کہ جس طرح ہمارے احاطہ میں فرق ضالہ کے سلسلہ میں بھرپور مواد موجود ہوتا ہے جس کے ذریعہ ہم اپنی قوم کو باطل تحریکات اور ان کے افکار و نظریات سے تحفظ فراہم کرتے ہیں اور ان کا لقمہ تر نہیں بننے دیتے، کیا اسی طرح ہمارے پاس دعوتی میٹریل، اس موضوع کی کتابیں اس راہ کے تجربات اور اس کام کے سلسلہ میں ایک پوری ٹیم نہیں ہونی چاہئے۔ جس طرح ہم مدارس کو اشاعت اسلام کے مراکز کہتے ہیں، ان میں دوسرے اور تمام اشاعتی کاموں کے ساتھ خالص دعوتی اور اشاعتی اسپرٹ اور نئے بندگان خدا کو فتح کرنے کی بھرپور تیاری تو ہونی ہی چاہئے۔

مدارس کے دعوتی کردار کو مزید مؤثر بنانے کے لئے دعوتی نہج پر طلباء کی ذہن سازی کی شدید ضرورت ہے، مدارس سے فارغ ہونے والے طلباء دعوتی ذہن لے کر نکلتے ہوں، وہ جہاں بھی رہتے ہوں دین کے داعی کی حیثیت رکھتے ہوں اور دعوت و اصلاح کے ہمہ جہت پروگرام میں حصہ لیتے ہوں اور ان کی دعوتی سرگرمیوں کا دائرہ بہت وسیع ہو، اس کے لئے مدارس کے موجود نظام میں گنجائش نکالی جانی چاہئے۔ مدارس میں تخصص فی الدعوۃ کے ایک منظم شعبہ کا قیام، نصاب میں سیرت نبوی اور سیرت صحابہ سے مزین خالص دعوتی لٹریچر کی تعلیم کا نظم، قرآن کریم کے ساتھ دوسرے ذرائع سے انبیاء کی دعوتی کوششوں کے طریق کار، طرز و انداز کی، وضاحت کے ساتھ تعلیم بھی ضروری ہے، کم از کم اس احساس کی تو بہر حال ضرورت ہے کہ ہم سب داعی ہیں اور ہمارا اصل کام اور مشن دعوت الی اللہ ہے اور جب اور جہاں کوئی مدعو ملے تو ہم اسے ڈیل کرنے کی صلاحیت اپنے اندر رکھتے ہوں۔ دینی مدارس کے واسطے سے دعوتی خدمات کے پہلو اور مقامات آہ و فغاں تو اور بھی ہیں لیکن آج کی مجلس کی اسی پر ختم کی جاتی ہے۔

حق گوئی و بے باکی - ایک قابل ستائش عمل

مفتی محمد وقاص رفیع

حق گوئی و بے باکی بھی شجاعت و بہادری ہی کی ایک خاص قسم ہے، جس کا تعلق انسان کی زبان سے ہے۔ جب دنیوی اور مادی طاقت کے اعتبار سے حق کمزور اور باطل طاقت ور ہو تو اس وقت باطل کے مقابلے میں حق کو بیان کرنا انتہائی قابل ستائش عمل ہے۔ اس لئے کہ ایسے میں حق گو انسان کو دسیوں قسم کے خطرات کا ہمہ وقت اندیشہ رہتا ہے، بالخصوص ظالم و جابر بادشاہ اور حکم ران کے سامنے تو کلمہ حق کہنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کا کہنا ہے!'' (سنن ابی داؤد)

اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے جو مدارج مقرر کیے گئے ہیں ان میں دوسرا درجہ اسی حق گوئی کا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جو شخص کسی ناجائز امر کو دیکھے، اگر اس پر قدرت ہو کہ اس کو ہاتھ سے بند کردے تو اس کو بند کردے۔ اگر اتنی مقدرت نہ ہو تو زبان سے اس پر انکار کردے۔ اگر اتنی بھی قدرت نہ ہو تو دل سے اس کو برا سمجھے۔ اور یہ ایمان کا بہت ہی کم درجہ ہے (مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو جو نصیحتیں فرمائی تھیں، من جملہ ان کے ایک یہ بھی تھی کہ حق بات کہنے میں تردد نہ کرنا گو کسی کو کڑوی لگے، اللہ کے معاملہ میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا (صحیح ابن حبان) ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ''تم میں سے کسی کو جب کوئی حق بات معلوم ہو تو اس کے کہنے سے انسانوں کا خوف مانع نہیں ہونا چاہیے۔ ایک مرتبہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھے! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! ہم میں کوئی شخص اپنے آپ کو حقیر کس طرح سمجھ سکتا ہے؟'' تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''اس طرح کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایک بات کے کہنے کی ضرورت ہو اور وہ نہ کہے۔ ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے کہ: ''تم کو میرے متعلق فلاں فلاں بات کے کہنے سے کس چیز نے منع کیا تھا؟ وہ کہے گا کہ انسانوں کے خوف نے!'' تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم کو تو سب سے زیادہ میرا خوف رکھنا چاہیے تھا۔'' (سنن ابن ماجہ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو حق گوئی و بے باکی میں کمال کا درجہ حاصل تھا۔ چنانچہ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کی تکلیف کے خیال سے از راہ شفقت فرمایا کہ: ''اپنے اسلام کو ابھی ظاہر نہ کرنا، چپکے سے اپنی قوم میں چلے جاؤ! جب ہمارا غلبہ ہو جائے اس وقت چلے آنا۔'' انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس کلمہ توحید کو ان بے ایمانوں کے بیچ میں چلا کر پڑھوں گا۔ چناں چہ اسی وقت مسجد حرام میں تشریف لے گئے اور بلند آواز سے ''اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ'' پڑھا۔ پھر کیا تھا؟ چاروں طرف سے لوگ اٹھے اور اس قدر مارا کہ زخمی کر دیا۔ مرنے کے قریب ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ (جو اس وقت تک مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے) ان کے اوپر بچانے کے لئے لیٹ گئے۔ اور لوگوں سے کہا کہ کیا ظلم کرتے ہو؟ یہ شخص قبیلہ ''غفار'' کا ہے۔ اور یہ قبیلہ ملک شام کے راستہ میں پڑتا ہے۔ تمہاری تجارت وغیرہ سب ملک شام کے ساتھ ہے۔ اگر یہ مر گیا تو ملک شام کا جانا آنا بند ہو جائے گا۔ اس پر ان لوگوں کو بھی خیال ہوا کہ ملک شام سے ساری ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، وہاں کا راستہ بند ہو جانا مصیبت ہے۔ اس لئے ان کو چھوڑ دیا۔ دوسرے دن پھر اسی طرح انہوں نے جا کر با آواز بلند کلمہ پڑھا۔ اور لوگ اس کلمہ کے سننے کی تاب نہ لا سکتے تھے۔ اس لئے ان پر ٹوٹ پڑے۔ دوسرے دن بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسی طرح ان کو سمجھا کر ہٹایا کہ تمہاری تجارت کا راستہ بند ہو جائے گا (حکایات صحابہؓ ص: ۱۸) بعد میں جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ: ''آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ابوذر سے زیادہ حق گو کوئی نہیں'' (جامع ترمذی)

مؤرخین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ مروان بن حکم نے عید کے دن منبر نکالا اور عید کی نماز سے پہلے ہی خطبہ دینا شروع کر دیا۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ: ''مروان! تم نے سنت کی مخالفت کی! آج تم نے منبر نکالا، حالاں کہ آج منبر نہیں نکالا جاتا! نماز سے پہلے خطبہ دیا، حالاں کہ نماز سے پہلے خطبہ نہیں دیا جاتا!'' اس پر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''اس نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ (سیرۃ النبی: ۶/۳/۵۷)

عبد الملک بن مروان کی یہ بہت اچھی عادت تھی کہ وہ حق بات منہ پر کہنے والے علماء کی قدر کرتا تھا۔ ۷۵ ہجری میں حج کے لئے گیا تو اس کے ایک امیر نے اہل مدینہ سے خطاب کرتے ہوئے گزشتہ حوادث (جنگ حرہ وغیرہ) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ: ''تمہاری مثال ایسی ہے جیسے اللہ نے ان بستی والوں کے بارے میں فرمایا: کہ ''وہ بڑے امن و اطمینان میں تھے۔ اور ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے ہر چہار طرف سے ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں۔ سو انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی۔ اس پر اللہ نے ان کو ان کی حرکات کے سبب ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا۔'' یہ سن کر ایک مدنی بزرگ ابن عبد رحمہ اللہ نے فوراً تردید کی اور فرمایا: ''تم نے جھوٹ کہا، ہم ایسے نہیں! تم اگلی آیت پڑھو: کہ ''اور ان کے پاس ان ہی میں سے ایک رسول آیا، پس انہوں نے رسول کو جھٹلایا۔'' ہم تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں۔ یہ سن کر حاکم کے کارندے ان کو پکڑ کر عبد الملک بن مروان کے پاس لے گئے۔ اس نے آزاد کرتے ہوئے کہا: ''میں تو درگزر کرتا ہوں، مگر کسی اور کے سامنے ایسی باتیں کرو گے تو وہ برداشت نہ کرے گا۔'' یہ کہہ کر چھ سو دینار بہ طور انعام ان کو دیئے۔ (طبقات ابن سعد: ۵/۲۳۱-۲۳۲)

غرضے کہ جس طرح اسلام کی نشر و اشاعت اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر ہاتھ پاؤں کے ذریعہ کفریہ طاقتوں اور باطل والوں کو شکست و ریخت سے دوچار کر کے حق کا بول بالا کرنا اسلام میں محمود اور قابل ستائش ہے، اسی طرح مادی طاقت کے اعتبار سے باطل کے مقابلہ میں حق کے کم زور ہونے کی صورت میں زبان و بیان کو استعمال کر کے حق بات کو بیان کرنا بھی ایک عمدہ اور پسندیدہ وصف ہے۔ علامہ اقبال نے خوب کہا ہے:

آئین جواں مردان حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی!

Scanned with CamScanner

الفاظ کا جادو

حضرت مولانا عبد الماجد دریابادیؒ

اگر آپ کا تعلق اونچے طبقہ سے ہے تو کسی "سرائے" میں ٹھہرنا آپ کے لیے باعث توہین، لیکن کسی "ہوٹل" میں قیام کرنا ذرا بھی باعث شرم نہیں، حالانکہ دونوں میں کیا فرق ہے بجز اس کے کہ "سرائے" مشرقی ہے، ہندوستانی ہے، دیسی ہے اور "ہوٹل" مغربی ہے، انگریزی ہے، ولایتی ہے۔ کوئی اگر یہ کہہ دے کہ "سرائے" کے فلاں "بھٹیارے" سے آپ کا یارانہ ہے تو آپ اس کا منہ نوچ لینے کو تیار ہو جائیں لیکن فلاں ہوٹل کے منیجر سے آپ کا بڑا ربط وضبط ہے اسے آپ فخریہ تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ سرائے کے "بھٹیارے" اور ہوٹل کے "منیجر" کے درمیان بجز ایک کے دیسی اور دوسرے کے ولایتی ہونے کے اور کوئی فرق ہے؟ کسی مدرسہ میں اگر آپ "مدرس" ہیں تو بات کچھ معمولی ہی ہے، لیکن کسی "کالج" میں آپ "لکچرار" یا "پروفیسر" ہیں تو معزز ہیں، صاحب وجاہت ہیں، حالانکہ اپنے اصل مفہوم کے اعتبار سے "مدرس" اور پروفیسر "ایک ہی چیز ہیں۔

"مدرسہ" میں اگر آپ پڑھتے یا پڑھاتے ہیں تو خود اپنی نظروں میں آپ بے وقعت ہیں لیکن اگر آپ کا تعلق کسی "کالج" سے ہے تو پھر آپ سے زیادہ معزز کون ہے؟ اب ہر مدرسہ طبیہ، طبیہ اسکول اور "مدرسہ تکمیل الطب" اور "مدرسہ منبع الطب" اب "تکمیل الطب کالج" اور "منبع الطب کالج" ہیں۔ مدرسہ وہاجیہ طبیہ کا زمانہ گیا۔ اب اس کا صحیح نام طبیہ وہاجیہ "کالج" ہے۔ طبی درس گاہوں کو چھوڑیے، خود دینی درس گاہوں کا کیا حال ہے؟ وہ دن گئے جب زبانوں پر "مدرسہ چشمۂ رحمت" کا تذکرہ تھا۔ اب وہ چشمۂ رحمت کالج ہے اور وہاں کے صدر مدرس "پرنسپل" صاحب ہیں۔ مدرسۂ نظامیہ فرنگی محل کے سب سے بڑے استاد کو "صدر مدرس" ذرا کہہ کے تو دیکھیے آپ کی غلطی کی تصحیح کی جائے گی کہ ان کا عہدہ اب صدر مدرسی کا نہیں "پرنسپلی" کا ہے۔

کوئی آپ سے کہے کہ یہ کیا آپ گلی میں کھڑے ہو کر "گلی ڈنڈا" کا تماشہ دیکھ رہے ہیں تو آپ شرما سے جائیں گے، لیکن آپ "کرکٹ" یا "فٹ بال" یا ہاکی کی میچ کھلے میدان میں دیکھ رہے ہوں گے، تو اس وقت نہ آپ اپنے بڑوں سے شرمائیں گے نہ چھوٹوں سے بلکہ عجب نہیں کہ گراں قدر ٹکٹ خریدنے کے بعد دوسروں کی طرف اکڑ کر دیکھیں۔ مینڈھے لڑاتے ہوئے یا بٹیر بازی یا مرغ بازی کرتے ہوئے اگر آپ کہیں پکڑ لیے گئے تو اپنے کو کسی کے سامنے منہ دکھانے کے قابل نہیں سمجھیں گے لیکن جب شہر میں باکسنگ کا مقابلہ ہوگا یا کوئی WEIGHT HEAYY CHAMPION آ جائیں گے تو ان کا تماشہ دیکھنا تہذیب وروشن خیالی میں داخل۔ کہیں چوری چھپے "رہس" یا "نوٹنکی" دیکھنے کھڑے ہو جائیے تو خود آپ کی ثقافت اور وضع داری آپ پر لاحول پڑھنے لگے لیکن تھیٹر میں آدھی آدھی رات بے تکلف بسر کیجیے کہ "ڈراما" جیسے فن شریف کی شرافت وعظمت میں کسی کو کلام ہو سکتا ہے؟

اپنے دیس کے کسی بھانڈ، کسی سازندہ، کسی ڈھاڑی سے اگر آپ سے شناسائی ہو گئی ہے تو اس کا ذکر آپ اپنے دوستوں اور بے تکلف ہم عصروں کے سامنے بھی کچھ جھینپ ہی کر کرتے ہیں، لیکن "چارلی چلپن" اور "میری پکفرڈ" کے کمالات اور "آرٹ" کی جتنی داد جی چاہے دیجیے۔ بھری محفلوں میں، بزرگوں اور استادوں کے مجمع میں اور اخبارات کے صفحات میں آپ کی نقادی ہی کی داد ملتی جائے گی؟ "نٹوں" کا پیشہ بھی بھلا کوئی عزت کا پیشہ ہے اور خدانخواستہ آپ سے کسی نٹ یا نٹنی ملاقات کیوں ہونے لگی، لیکن وہی قلابازیاں کھانے والے جب سرکس والے اور سرکس والیاں بن کر آپ کے سامنے آتے ہیں، تو نہ آپ ان سے ملنے میں شرماتے ہیں، نہ تعلقات بڑھانے میں۔

جوئے یا جواریوں سے ظاہر ہے ہماری شرافت کو کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ کوئی ہمیں جواری کہہ دیکھے۔ اپنی جان اور اس کی جان ایک کر دیں، لیکن گھوڑ دوڑ کے دنوں میں اور کارنیوال کی راتوں میں، دن دہاڑے اور بجلی کی روشنی میں یہی ذلت ہمارے لیے عین عزت بن جاتی ہے اور بڑے بڑے رئیس اور معززنہ جوئے کی بازی لگاتے ہوئے شرماتے ہیں اور نہ اپنے کو ریس باز کہلاتے۔ نخاس میں کسی کباڑیے کی دکان پر مول تول کرنا ہماری عزت وشرافت کے لیے باعث ننگ، لیکن مال روڈ پر "پیک ایلن" کی کوٹھی میں گشت لگانے میں نہ کوئی عار ہے نہ کوئی شرم، اس لیے کہ "پیک ایلن" صاحب کوئی کباڑیے تھوڑا ہی ہیں، "آکشنر" اور "نیلامیے" ہیں۔

لکھنو کے چوک اور امین آباد میں کسی حلوائی کی دکان سے پوری مٹھائی اپنے ہاتھ سے خریدیے تو نظریں بچا بچا کر، لیکن حضرت گنج میں ویلریو کی دکان کے سامنے اپنا موٹر کھڑا کر کے کیک وپیسٹری کی خریداری بہ نفس نفیس، بلا جھجک فرمایئے، اس لیے کہ "ویلریو" حلوائی نہیں، "کنفکشنر" ہے، نظیر آباد کے کسی چوراہے پر کسی شربت والے کی دکان سے فالودہ کا گلاس خریدنا آپ کی خودداری کے منافی، لیکن حضرت گنج میں صاحب کی جگمگاتی دکان پر آئس کریم نوش فرمانا آپ کی عزت اور شان کے عین مطابق۔ کسی نانبائی کی دکان کا نام اگر "ریسٹران" پڑ جائے تو وہی عار فخر میں تبدیل ہو جائے۔ "نائی" بیچارہ جب تک محض نائی ہے یا حجام، اس کے استرے اور کسوت کے آگے سر جھکانا آپ کیوں کر گوارا فرما سکتے ہیں، لیکن وہی جب اپنے کو ہیئر ڈریسر Dresser Hair کہلانے لگے اور اپنی چوراہے کی دکان پر "ہیئر کٹنگ سیلون" کا سائن بورڈ لگا دے تو وہی ناگوار آپ کے لیے خوشگوار و پسندیدہ بن جائے۔

عدالت کا پیادہ جب تک "چپراسی" یا "مذکوری" ہے، حقیر وذلیل ہے لیکن وہی پیادہ اگر "بیلف" کہہ کر پکارا جائے تو معزز ہے اور آپ کی زبان پر محض بیلف نہیں بلکہ "بیلف صاحب" آنے لگے۔ کوئی چمار یا موچی اس قابل کب ہوتا ہے کہ آپ اسے منہ لگائیں، لیکن وہی رذیل اگر کسی ٹیٹری کا مالک کہلانے لگے تو معا اس کی رذالت آپ کی نگاہ میں عزت وشرافت سے بدل جاتی ہے اور دنیا کے سب سے بڑے موچی باٹا کی قوم سے تعلق رکھنا تو عین دلیل اعزاز، بستی کا ساہوکار یا مہاجن بڑے سے بڑا ہو، آپ کی نظر میں محض "بنیا" ہے لیکن وہی بنیا اگر وہیں کسی بینک کا منیجر ہو جائے یا اپنے کو بینکر کہلانے لگے تو دیکھئے تو اس کا مرتبہ دم بھر میں کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔ کسی رئیس کا "مصاحب" آپ کی نظر میں، اخلاقی حیثیت سے بے عملی، خوشامد، چاپلوسی اور خود فروشی کا مجسمہ ہے لیکن صاحب کے "پرائیویٹ سکریٹری" اور "اے ڈی سی" کا نام ادھر آیا اور ادھر معا آپ کی نظروں میں کارکردگی ومستعدی، رعب ودبدبہ کی تصویر پھر گئی۔

پنچایت کا نام آیا اور آپ کے ذہن نے نہ جانے کن قوموں کا تصور شروع کر دیا، لیکن ادھر پنچایت کے بجائے پارلیمنٹ اور اسمبلی، کونسل اور کارپوریشن کے الفاظ بولے گئے اور آپ کا ذہن ان فرنگی پنچایتوں کی بلندیوں پر رشک کرنے لگا۔ کوئی مولوی غریب اگر عالمگیری اور شامی کے جزئیات فقہی کا حافظ ہے تو غبی ہے، لیکن اگر کسی ایڈوکیٹ یا بیرسٹر صاحب کو ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے نظائر ازبر ہیں تو ان کی قابلیت، خوش دماغی اور ذہانت کے اعتراف میں سب سے آگے آپ ہی ہیں۔

فسانۂ عجائب اور طلسم ہوشربا کے نام آج مجال ہے کہ کوئی زبان پر لا سکے لیکن لندن اور برلن، پیرس اور نیویارک سے کتنے ہی نئے نئے عجائب افسانے اور کتنے ہی ہوشربا طلسمات رومانی ناولوں کے نام سے، جاسوسی افسانوں کے نام سے "سنسنی خیز" خبروں کے نام سے، صاعقہ اثر ڈراموں کے نام سے اور خدا معلوم کن کن ناموں سے ہر سال اور ہر ہفتہ اور ہر روز اور ہر صبح اور ہر شام شائع ہوا کریں، ان سے باخبر رہنا اور پوری دلچسپی وانہماک کے ساتھ ان کے نشر واشاعت میں، ان کے پڑھنے پڑھانے میں لگے رہنا علم وروشن خیالی کی دلیل اور مہذب وتعلیم یافتہ ہونے کی سند!

کوئی آپ کو صلاح دے کہ "لوہاری" کا پیشہ اختیار کیجئے، تو آپ اسے گالی سے کچھ ہی کم سمجھیں لیکن "میکنیکل انجینیر ی" کے عہدہ کی طرف آپ خود لپک کر بڑھ رہے ہیں۔ "جراح" کے لفظ سے جو تخیل آپ کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے وہ کس درجہ پست ہے لیکن "سرجن" کا نام لینے سے اس پستی میں کتنی بلندی آ جاتی ہے۔ محلہ اور پڑوس کے "جلاہے" آپ کے خیال میں پست وادنیٰ، لیکن کپڑا بننے والے اگر لنکا شائر کے ہیں، تو کیا ان کی بابت بھی آپ کا یہی خیال ہے؟ "بزاز" گز ہاتھ میں لیے اور مزدور کے سر پر گٹھری اٹھائے، شہر میں پھیری کرتے پھرتے ہیں، ان کی کوئی عزت ووقعت نگاہ میں نہیں، لیکن وہی کپڑا بیچنے والے اگر مانچسٹر کے باشندے ہیں تو بس معزز ہیں، بلند ہیں۔

لکھنؤ کے چوک یا دلی کی چاوڑی کی پیشہ ور کا نام آپ بے تکلفی اور آزادی کے ساتھ ہرگز اپنے کسی بزرگ کے سامنے نہ لیں گے، نہ کسی کا ناچ مجرا دیکھنے کھلم کھلا تشریف لے جائیں گے لیکن ڈرائنگ روم میں گھر کے سب مردوں اور عورتوں لڑکوں اور لڑکیوں کے سامنے TV سے بے تکلف آپ فلاں بائی جی اور فلاں "جان" کے نغموں، ٹھمریوں سے لطف اٹھائیں گے اور فلم ایکٹرس جو بھی آپ کے دل میں جگہ کر لے گی، پوری بے باکی سے آپ اس کے چرچے ہر چھوٹے بڑے کے سامنے کریں گے۔

کوئی کہاں تک گنائے اور ناموں اور لفظوں کی کتنی لمبی فہرست تیار کرے۔ نمونہ کے لیے یہ کافی بلکہ کافی سے کچھ زیادہ ہی ہیں۔ اپنی واقفیت کی دنیا میں خود نظر دوڑائیے اور دیکھ لیجئے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں ومعاشرت کے ہر گوشہ میں فرنگیت کا کتنا رعب ہم پر، اور آپ پر چھایا ہے۔ حقیقت ایک، معنی ومفہوم متحد، لیکن جو لفظ اور جو نام، فرنگیت کے راستہ سے "صاحب" کے رشتہ سے، آپ کے کانوں تک پہنچے ہیں ان میں ان کے دیسی مترادفات سے کتنی زیادہ عظمت، کتنی زیادہ اہمیت، کتنی زیادہ بلندی ہمارے دلوں اور دماغوں نے غیر محسوس طور پر قبول کر لی ہے! اگلوں نے بہت کیا تو یہی کیا تھا کہ ملک فتح کر لیے، قلعے سر کر ڈالے، فوجوں کو میدان جنگ میں شکست دے دی۔ اس سے زیادہ نہ چنگیز سے کچھ بن پڑا نہ ہلاکو سے، نہ دارا سے نہ سکندر سے، یہ شرف مخصوص اسی دور یا جوجی کے لیے اٹھ رہا تھا کہ جسم کے ساتھ ساتھ دل ودماغ بھی فتح کر لیے جاتے ہیں اور ہاتھوں پیروں کے علاوہ عقلوں، دماغوں اور بصیرتوں سے بھی خط غلامی لکھا لیا جاتا ہے۔

یہاں تک کہ غریب محکوموں کے پاس خیر وشر، حسن وقبح، ہنر وعیب کا معیار لے دے کے بس یہی ایک رہ جاتا ہے کہ "صاحب" کی چشم التفات کدھر ہے؟ عزت بھی "صاحب" کی دی ہوئی اور دولت بھی سرکار کی مرحمت کی ہوئی۔ دین بھی وہیں کا عطیہ، اور دنیا بھی وہیں کی بخشش، اب نہ ہندو ہندو ہے، نہ مسلمان مسلمان۔ سب رعایائے سرکار۔ اب نہ کوئی اللہ دین ہے نہ رام دین بلکہ سب کے سب چھٹ چھٹا کر "صاحب دین۔"

الفاظ عمومی کو چھوڑیے۔ ستم یہ ہے کہ اعلام اور اسماء معرفہ تک یورپ زدگی کی وبا سے محفوظ نہیں۔ میاں "کلو" کو آپ نے اپنے ہاں جب دیکھا، اکہ بانی ہی کرتے پایا لیکن میجر بلیک (BLACK) آپ کے شہر کے ممتاز سول سرجن ہیں۔ "کلو امہتر" آپ کے محلہ ہی میں رہتا ہے لیکن پروفیسر بلیکی (BLACKEE) یونیورسٹی کے ایک ممتاز پروفیسر ہیں! "لالہ گھاسی رام" بیچارے "کانجی ہاؤس" کی محرری سے عمر بھر آگے نہ بڑھ سکے، لیکن بریگیڈیر جنرل (HAY) برطانوی فوج کے ایک مشہور ومعروف افسر بن گئے۔ "میاں رمضانی" اور میاں شبراتی کی ساری عمر خدمت گاری میں گزری لیکن مسٹر "مے" (MAY) اور ڈاکٹر فرائڈے (FRIDAY) پارلیمنٹ کے نامور ممبر رہے!

"مٹھو" کہار اور "طوطا" کلوار آپ کی بستی ہی میں اپنی زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں لیکن "سر جان پارٹرج" (PARTRIDGE) آپ کے صوبہ کے گورنر تھے۔ مسٹر "کاک" (COCK) آپ کے ضلع کے کلکٹر بنے اور "سوان" (SWAN) صاحب تبدیل ہو کر کمشنری پر گئے۔ آپ کے ماما کا لڑکا "شیرا" بیچارہ اب تک چپراسی کی جگہ امیدواری کر رہا ہے لیکن "بل" صاحب (BULL) ترقی پا کر کمشنر ہو گئے اور مسٹر لیمب (LAMB) اور مسٹر "کڈ" (KID) آپ کے ضلع میں حاکم بندوبست اور جائنٹ مجسٹریٹ ہیں۔ "دریاؤ سنگھ" غریب کو لائن جمعداری سے آگے بڑھنا نصیب نہ ہوا۔ سر جان لیک (LACK) دیکھتے دیکھتے ای آئی آر کے ایجنٹ ہو گئے! "لالہ لوہاری مل" کے چلائے عرائض نویسی کا کام بھی نہ چلا، جسٹس اسمتھ (SMITH) ہائی کورٹ کی ججی پر پہنچ گئے۔ "شیخ جھاؤ" کی زندگی نور بافی کرتے کرتے ختم ہو گئی۔ سر چارلس "ووڈ" (WOOD) حکومت ہند کے ہوم ممبر ہیں۔ جنگلی گھسیارہ بیچارہ عمر بھر گھاس ہی چھیلا کیا، سر جان فارسٹر (FORESTER) سنا ہے کہ امریکہ میں برطانیہ کے کونسل جنرل ہو گئے، یہ سب الفاظ کے جادو ہیں، غور کیجئے اور سمجھئے۔

اخبار جہاں

محمد عادل فریدی

امریکہ اور رومانیہ کا یوکرین کی صورتحال پر تبادلہ خیال

امریکی وزیر دفاع لائیڈ آسٹن اور رومانیہ کے وزیر دفاع واسائل ڈنکو نے فون پر یوکرین کی صورتحال پر تبادلہ خیال کیا۔امریکی محکمہ دفاع کے پریس سکریٹری جان کربی نے کہا کہ دونوں وزراء نے مشرقی علاقے میں ناٹو کی بفرنگ کی صلاحیت کو مضبوط کرنے پر بھی تبادلہ خیال کیا۔مسٹر کربی نے اپنے بیان میں کہا کہ دونوں وزرائے دفاع نے ناٹو کے مشرقی ساحل پر مزاحمت کو مضبوط بنانے پر تبادلہ خیال کیا۔(یو این آئی)

لاکھوں افغانوں کو مالی امداد دی گئی: اقوام متحدہ

اقوام متحدہ کے دفتر برائے انسانی امور (اوسی ایچ اے) کا دعویٰ ہے کہ اقوام متحدہ اور اس کے اتحادیوں نے بحران سے متاثرہ افغانستان میں لاکھوں لوگوں کو گزشتہ چار مہینوں میں انسانی امداد فراہم کی ہے۔سوشل میڈیا کے ذریعہ اقوام متحدہ نے بتایا کہ ۲۰۲۱ء کے آخری چار مہینوں میں اقوام متحدہ اور اس کے اتحادیوں نے افغانستان میں ۹۴ر لاکھ لوگوں کو خوراک اور سولہ لاکھ لوگوں کو ہیلتھ امداد فراہم کی گئیں ہیں۔اوسی ایچ او کے مطابق دو لاکھ چھہتر ہزار (۲۷۶۰۰۰) سے زائد بچوں کا نقص تغذیہ کا علاج کیا جا چکا ہے۔(یو این آئی)

کرغزستان، تاجکستان تمام سرحدوں پر جنگ بندی پر متفق

کرغز بارڈر سروس کی رپورٹ کے مطابق کرغزستان اور تاجکستان سرحدوں پر جنگ بندی پر متفق ہو گئے ہیں۔کرغز بارڈر سروس کے ترجمان نے بتایا کہ دونوں ممالک کے درمیان مذاکرات کے دوران مکمل جنگ بندی، فریقین کی جانب سے سرحد پر بھیجی گئی اضافی فورسز اور ذرائع کے انخلاء اور بٹکن-اصفانہ ہائی وے پر ٹریفک کھولنے، تنازعات کی روک تھام کے لئے کرغزستان اور تاجکستان کے قانون نافذ کرنے والے حکام کے درمیان سرحدی علاقوں میں مشترکہ گشت پر معاہدے طے پا گئے۔(یو این آئی)

یورپی ممالک کو موصول ہونے والی پناہ کی درخواستوں میں پھر اضافہ

یورپی ممالک کو پناہ کے متلاشی افراد کی طرف سے موصول ہونے والی درخواستوں میں ایک مرتبہ پھر اضافہ ہوا ہے۔تازہ اعداد و شمار کے مطابق گزشتہ برس نومبر میں یورپی یونین کے ممالک کو ۷۱ر ہزار سے زائد درخواستیں موصول ہوئیں، جو اکتوبر کے مقابلے میں نو فیصد زیادہ بنتی ہیں، سب سے زیادہ ۱۳ر ہزار درخواستیں افغان باشندوں کی طرف سے جمع کرائی گئیں جبکہ شام کا نمبر دوسرا ہے، جہاں سے تعلق رکھنے والے ساڑھے گیارہ ہزار افراد نے سیاسی پناہ کی درخواستیں جمع کرائیں۔۲۰۱۶ء میں مہاجرین کے بحران کے بعد پہلی مرتبہ اتنے زیادہ لوگوں نے پناہ کی درخوستیں جمع کرائی ہیں۔(ڈوئچے ویلے)

روس آئندہ ماہ یوکرین پر حملہ کرسکتا ہے، امریکی صدر

امریکی صدر جو بائیڈن نے یوکرین کے ساتھ اظہار یک جہتی کرتے ہوئے مکمل تعاون کا اعادہ کیا ہے۔اپنے یوکرینی ہم منصب وولودومیر زیلینسکی سے ٹیلی فونک گفتگو میں انہوں نے کہا کہ اگر روس نے اس سابق سوویت ریاست پر حملہ کیا تو اس کا بھرپور جواب دیا جائے گا، ایسا امکان ہے کہ روس آئندہ ماہ یوکرین میں ایک نئی کارروائی کرسکتا ہے۔تاہم کریملن ان الزامات کو مسترد کرتا ہے۔اس کا کہنا ہے کہ دراصل امریکہ اور نیٹو یہ بہانہ بنا کر مشرقی یورپی سرحدوں پر عسکری سرگرمیاں بڑھانا چاہتے ہیں۔(ڈوئچے ویلے)

تعلیم وروزگار

ریلوے بھرتی امتحان میں ہنگامہ پر پی ایم او نے بلائی اہم میٹنگ

ریلوے بھرتی بورڈ کے ذریعہ غیر تکنیکی زمروں آر آر بی-این ٹی پی سی کے لئے امتحانات میں مبینہ تضادات کی مخالفت میں بہار اور اتر پردیش کے کئی حصوں میں طلبہ کے ہنگامے اور پُر تشدد احتجاج کے بعد جمعہ کو اسی موضوع پر وزیر اعظم دفتر (پی ایم او) میں اہم میٹنگ بلائی گئی ہے۔اس میٹنگ میں وزیر ریل سمیت سبھی سینئر افسر موجود رہیں گے۔دریں اثنا، آر آر بی-این ٹی پی سی امتحان عمل میں طلبہ تنظیموں کی طرف سے بلائے گئے بہار بند کی حمایت میں، اپوزیشن جماعتوں کے لیڈروں اور کارکنوں نے جمعہ کے روز مظاہرہ کیا اور سڑک پر ٹائر جلائے، ٹرینوں میں خلل ڈالنے کی بھی خبر آئی۔بہار کی راجدھانی پٹنہ کے بھکھنا پہاڑی موڑ پر آر جے ڈی کارکنوں نے ٹائر جلا کر احتجاج کیا اور حکومت مخالف نعرے لگا کر مظاہرہ کیا۔دربھنگہ ریلوے اسٹیشن پر اکھل بھارتیہ طلبہ یونین (آئیسا) اور بہار کی اہم اپوزیشن پارٹی آر جے ڈی کے کارکنان نے دہلی جانے والی سمپرک کرانتی ایکسپریس ٹرین کو روک دیا۔مظاہرین ٹرین کو روک کر پٹری پر ہی حکومت کے خلاف نعرے بازی کرنے لگے، جنہیں ریل پولیس کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش کی گئی۔بیگو سرائے میں آر جے ڈی، آئیسا، جاپ سمیت دیگر اپوزیشن جماعتوں کے کارکنان کے ذریعہ قومی شاہراہ 31 پر دھرنا دینے سے نقل وحمل متاثر رہا۔

ریلوے نے جانچ کے لئے بنائی کمیٹی: ریلوے ترجمان کے مطابق، کمیٹی پہلے مرحلے کے سی بی ٹی کے نتائج کے ساتھ ساتھ ورکنگ سسٹم کا تجزیہ کرے گی، جس کی بنیاد پر درخواست کنندگان کو دوسرے دور کے سی بی ٹی کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔ترجمان نے بتایا کہ تجزیہ کے عمل میں اس بات کو یقینی بنایا جائے گا کہ منتخب درخواست دہندگان متاثر نہ ہوں اور نہ ہی سی ای این آر آر سی ۲۰۱۹ء میں دوسرے مرحلے کے CBT کی شمولیت متاثر ہو۔ریلوے نے ایک ای میل آئی ڈی بھی جاری کی ہے، جس کے ذریعے امیدوار اپنی تشویش، تحفظات اور تجاویز کمیٹی کو بتا سکتے ہیں۔(بحوالہ نیوز-۱۸)

انڈین آرمی میں ویکنسی، فوج میں نوکری کے خواہشمند امیدوار کے لیے سنہرا موقع

انڈین آرمی (Indian Army) میں شامل ہونے کی بہت سے لوگوں کی دلی خواہش ہوتی ہے۔اس خواہش اور خواب کو حقیقت میں بدلنے کے لیے ہندوستانی فوج میں بحالی کا اعلان ہو چکا ہے، فوج میں نوکری کے خواہشمند امیدواروں کے لیے یہ سنہرا موقع ہوسکتا ہے۔ہندوستانی فوج نے جج ایڈووکیٹ جنرل برانچ کے تحت فوج میں شارٹ سروس کمیشن دینے کے لئے غیر شادی شدہ مرد اور غیر شادی شدہ خاتون لا گریجویٹس سے درخواستیں طلب کی ہیں، ہندوستانی فوج نے اہل امیدواروں کی بحالی کے لیے نوٹیفکیشن جاری کردیا ہے۔سرکاری ویب سائٹ پر جاری کردہ نوٹیفکیشن میں کہا گیا ہے کہ افسر کمیشن ملنے کی تاریخ سے چھ ماہ کی مدت کے لیے پروبیشن پر رہے گا۔نوٹیفکیشن میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر اسے پروبیشنری مدت کے اندر رپورٹ کیا جاتا ہے کہ وہ اپنا کمیشن برقرار رکھنے کے لیے موزوں نہیں ہے، تو اس کی خدمات کسی بھی وقت ختم کی جاسکتی ہیں خواہ پروبیشنری مدت ختم ہونے سے پہلے ہو یا اس کے بعد۔دلچسپی رکھنے والے اہل امیدوار انڈین آرمی کی آفیشل سائٹ joinindianarmy.nic.in کے ذریعے آن لائن درخواست دے سکتے ہیں۔مردوں کے لیے ۶ر اور خواتین کے لیے ۳ر پوسٹ ہیں، امیدواروں کے پاس ایل ایل بی ڈگری میں کم از کم 55 فیصد مجموعی نمبر ہونے چاہئیں (گریجویشن کے بعد تین سال پیشہ ورانہ یا 2+10 امتحان کے بعد پانچ سال) انہیں بار کونسل آف انڈیا/ریاست میں بطور وکیل رجسٹریشن کا اہل ہونا چاہیے۔امیدوار کا تعلق ایسے کالج/یونیورسٹی سے ہونا چاہیے جسے بار کونسل آف انڈیا نے تسلیم کیا ہو۔(بحوالہ نیوز-۱۸)

ائمہ مساجد دراصل دین کے داعی ہیں: احمد حسین قاسمی

امارت شرعیہ بہار اڈیشہ وجھارکھنڈ کی زیر نگرانی شہر جمشید پور کے ائمہ مساجد پر مشتمل تنظیم کی تشکیل

مورخہ ۲۵ر جنوری ۲۰۲۲ء کو دار القضاء امارت شرعیہ جمشید پور، ضلع مشرقی سنگھ بھوم، جھارکھنڈ میں حسب ہدایت امیر شریعت حضرت مولانا سید احمد ولی فیصل رحمانی شہر کے تمام ائمہ مساجد پر مشتمل امارت شرعیہ بہار اڈیشہ وجھارکھنڈ پھلواری شریف پٹنہ کی زیر نگرانی "تنظیم ائمہ مساجد جمشید پور" کی تشکیل عمل میں آئی۔علماء ائمہ مساجد سے خطاب کرتے ہوئے امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ کے معاون ناظم مولانا احمد حسین قاسمی مدنی نے تنظیم ائمہ مساجد کے اغراض ومقاصد اور موجودہ وقت میں اس کی اہمیت وافادیت پر بھرپور روشنی ڈالی، انہوں نے ائمہ مساجد کی ذمہ داریوں اور بہ حیثیت داعی امت ان کے پیغمبرانہ مقام ومنصب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آج بھی امت کے ہر فرد تک کوئی پیغام پہنچانے کے لیے منبر ومحراب اور مساجد کا کوئی بدل نہیں اور نہ اس سے بہتر نظام امت کو مل سکتا ہے یہ مسجد کے منبر ومحراب اس امت کو اللہ کی جانب سے ایک عطیہ ربانی اور بے مثال و نایاب نبوی تحفہ ہیں۔مسجد درحقیقت ہماری اجتماعی نظام کا بنیادی ستون ہے۔ہم اسے اپنے دینی وملی تشخص کی بقاء اور اپنے شرعی اجتماعی نظام کے نفاذ کیلئے مشکل سے مشکل حالات میں بھی استعمال کرسکتے ہیں۔یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ اس نبوی پلیٹ فارم کا ہم نے کما حقہ استعمال نہیں کیا، بلکہ اسے فقط ایک روایتی طرز پر کام میں لایا، اسے حالات حاضرہ کے تناظر میں ہم کس طرح برت سکتے ہیں اس پر ہمیں آج مختلف پہلوؤں سے غور کرنا ہوگا۔مسجد ہمارے لیے بیک وقت مکتب ومدرسہ بھی ہے اور اور خانقاہ وعدلیہ بھی اصلاح حال اور مکارم اخلاق کا مرکز بھی ہے اور امت کی اجتماعیت کا نقطۂ مرکزی بھی؛ جسے ہم نے نظر انداز کرکے فقط اپنا ملی واجتماعی نقصان کیا ہے۔انہوں نے کہا کہ امارت شرعیہ بہار اڈیشہ وجھارکھنڈ پھلواری شریف جو اس ملک میں ملت اسلامیہ کی وحدت کی ایک روشن علامت ہے اس کا ایک اہم شعبہ "شعبۂ امور مساجد" ہے، جس کا واحد مقصد مساجد کی مرکزیت عظمت رفتہ کو بحال کرنا ہے اور اس کے نبوی نظام کو دوبارہ زندہ کرنا ہے۔جو امور بھی مساجد سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں انجام پاتے تھے ان تمام کاموں کو پھر سے جاری کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔تعلیم سے لے کر رفاہی امور اور خدمت خلق تک کے تمام کام ہم مسجدوں سے کرسکتے ہیں۔امارت شرعیہ موجودہ وقت میں اس جانب بڑی فکر مند ہے، خاص کر لاک ڈاؤن کے سبب جبکہ مدارس کا نظام بالکل معطل سا ہو کر رہ گیا ہے، ایسے وقت میں مسجد کے کاموں کا احیاء اور خصوصاً مکاتب دینیہ کے مضبوط نظام کو قائم کرنا ہمارے لیے بہت ضروری ہے۔امارت شرعیہ بہار اڈیشہ وجھارکھنڈ کی موجودہ ملی سرگرمیوں کا تعارف کراتے ہوئے موصوف نے اس کے تعلیمی اقدامات کی تفصیل بھی بیان کی۔قاضی شریعت دار القضاء جمشید پور مولانا سعود عالم صاحب قاسمی نے شہر کے حالات کا جائزہ پیش کیا اور جن پہلوؤں سے اصلاح کی ضرورت ہے ان پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی۔مسجد سے کیا کیا اصلاحی وانسانی خدمات کی جاسکتی ہیں، اس تعلق سے شہر کے اکثر بزرگ ومتحرک ائمہ کرام نے اپنی آراء وتجاویز بھی پیش کیں، اخیر میں مشورہ سے اس تنظیم کی سرپرستی شہر کے بزرگ عالم دین امام وخطیب مسجد آم باغان مولانا زین العابدین صاحب قاسمی کو سونپی گئی جبکہ دوسری طرف صدر کے لیے مفتی امیر الحسن صاحب قاسمی امام وخطیب جامع مسجد دھتکیڈیہ کا نام منتخب کیا گیا، نائب صدر کی حیثیت سے مفتی نشاط عالم قاسمی اور مولانا اطہر امام غزالی صاحب کو چنا گیا، جبکہ اس کمیٹی کے کنوینر اور نگراں قاضی سعود عالم صاحب اور مولانا افروز سلیمی صاحب ہوں گے، شہر کے متحرک وفعال جواں سال عالم دین مفتی طلحہ قاسمی کو سکریٹری منتخب کیا گیا۔جوائنٹ سکریٹری کے طور پر زون وائز متعدد ائمہ کرام کے نام شامل کئے گئے، جن میں مولانا عبد الرؤف قاسمی، مولانا محتشم قاسمی، مولانا صابر جاوید، مفتی وسیم قاسمی، مولانا شاداب، مولانا منت اللہ قاسمی اور مولانا وقار کے نام شامل ہیں۔میٹنگ میں مولانا سعود اللہ رحمانی ومولانا نوشاد مظاہری مبلغین امارت شرعیہ ومولانا اظہر قاسمی کارکن دار القضاء جمشید پور بھی شریک رہے۔اجلاس کی نظامت کے فرائض مفتی افروز سلیمی صاحب نے انجام دیے۔اجلاس کا اختتام مولانا زین العابدین صاحب کی دعاء پر ہوا۔

Scanned with CamScanner

حضرت مولانا عتیق الرحمن سنبھلیؒ کا سانحۂ ارتحال ایک بڑا علمی خسارہ: حضرت امیر شریعت

ملکی وبین الاقوامی شہرت یافتہ عالم دین، محقق وادیب حضرت مولانا محمد عتیق الرحمن سنبھلیؒ صاحب مختصر علالت کے بعد مورخہ ۲۳ر جنوری ۲۰۲۲ کو دہلی کے ایک اسپتال میں رحلت فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون، ان کے وصال پر امارت شرعیہ، بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ کے امیر شریعت حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی دامت برکاتہم ،سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر نے گہرے صدمے کا اظہار کیا اور اپنے تعزیتی پیغام میں اسے ملت کا بڑا علمی اور ادبی خسارہ قرار دیا، انہوں فرمایا کہ حضرت مولانا عظیم خانوادے کے چشم وچراغ تھے، حضرت مولانا منظور نعمانیؒ کے فرزند اکبر تھے، اور بڑے ہی ممتاز عالم دین، ادیب اور محقق تھے، درس قرآن میں ان کو درک حاصل تھا اردو ادب میں ان کو ملکی سطح پر ایک خاص مقام حاصل تھا، ان کی کئی کتابیں آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ اور علمی سرمایہ ہیں، خانقاہ رحمانی مونگیر اور امارت شرعیہ سے ان کا اور ان کے خانوادے کا عقیدت مندانہ تعلق رہا ہے، دادا بزرگوارؒ امیر شریعت رابع حضرت مولانا منت اللہ رحمانی اور والد ماجد حضرت مولانا ولی صاحب رحمانیؒ امیر شریعت سابع سے والہانہ رشتہ رہا ہے، ملکی سطح پر مسلمانوں کے تشخص اور مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لیے یہ خانوادہ امارت شرعیہ، خانقاہ رحمانی اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے ساتھ ہمیشہ مضبوطی کے ساتھ کھڑا رہا ہے، بلاشبہ ایسے نامور عالم دین کا ہمارے درمیان سے اٹھ جانا ایک بڑا علمی سانحہ ہے، اللہ ان کی مغفرت فرمائے، اور ملت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ پھلواری شریف پٹنہ میں مولانا کے سانحہ ارتحال کی جیسے ہی خبر ملی سب لوگ اس عظیم علمی خسارہ سے افسردہ ہو گئے اور مرکزی دفتر امارت شرعیہ میں ایک تعزیتی نشست منعقد ہوئی ،اس نشست سے خطاب کرتے ہوئے قائم مقام ناظم امارت شرعیہ جناب مولانا محمد شبلی القاسمی صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا علم وتحقیق کے میدان میں بڑا اونچا مقام رکھتے تھے، ان کی کئی تصانیف مقبول خاص وعام ہوئیں، ان کے والد ماجد حضرت مولانا منظور نعمانیؒ نے اسلام اور شعائر اسلام کی حفاظت وصیانت کے لیے ہمیشہ سرگرم عمل رہے ،اور درجنوں علمی وتحقیقی کتابیں تصنیف کیں، آپ کے صاحبزادے محترم حضرت مولانا عتیق الرحمن سنبھلی اپنے والد کے نقش قدم پر دین اور اشاعت دین کے لے ہمہ تن جدوجہد کرتے رہے، اس پورے خانوادے کا امارت شرعیہ سے بڑا گہرا قلبی لگاؤ تھا، مولانا خلیل الرحمان سجاد نعمانی صاحب کا نام بانی امارت شرعیہ ابوالمحاسن محمد سجاد ” کے افکار ونظریات اور خدمات سے متاثر ہوکر حضرت مولانا منظور صاحب ؒ نعمانی نے رکھا ،قاضی شریعت مولانا محمد انظار عالم قاسمی صاحب نے کہا کہ حضرت مولانا کی دینی اور علمی شخصیت کسی تعارف کا محتاج نہیں ،قدرت نے انہیں متنوع خوبیوں اور کمالات سے نوازا تھا تحریر وتقریر کے ذریعہ اصلاح امت کا بڑا کارنامہ انجام دیا، ہم سب کو ان سب کی خوبیوں کو اپنانا چاہیے، امارت شرعیہ کے نائب ناظم مولانا مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی صاحب نے مولانا سنبھلی کی دینی وفکری مختلف گوشوں پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ مولانا ایک بڑے داعی تھے، ان کی تحریروں میں دعوت دین کا عنصر غالب رہتا تھا، الفرقان کے اداریے اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ مولانا کی تحریریں شگفتہ اور دل پذیر ہوتی تھیں، وہ خوب لکھتے تھے اور ڈوب کر لکھتے تھے، انہوں نے تاریخ وسیر پر کئی مفید اور علمی کتابیں بھی تصنیف کیں جو علمی حلقوں میں حد درجہ متعارف ہوئیں، ۱۹۶۷ء میں علاج کی غرض سے لندن تشریف لے گئے اور پھر وہیں سکونت پذیر ہوئے، عرصہ ایک سال قبل ہندوستان تشریف لائے، دہلی میں زیر علاج تھے کہ رب کائنات کا پیغام اجل آیا اور اللہ کو پیارے ہو گئے، انہوں نے کہا کہ مولانا سے میری متعدد ملاقاتیں رہی ہیں وہ بڑے ملنسار اور خلیق آدمی تھے، مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے پرنسپل مولانا مشہود احمد قادری ندوی صاحب نے فرمایا کہ مولانا کا وصال کسی ایک فرد، جماعت کا نہیں بلکہ پوری ملت کا سانحہ ہے ،مولانا سے میرے گھریلو تعلقات بھی رہے ہیں، والد ماجد کی معیت میں لکھنؤ میں متعدد بار ملاقاتیں ہوئیں ،بڑا ہی اعزاز واکرام فرمایا، مولانا رضوان احمد ندوی نائب مدیر ہفتہ روزہ نقیب پٹنہ نے کہا کہ مولانا کے اندر دو بڑی خوبیاں تھیں، خردنوازی اور تحقیق وریسرچ میں ممکن حد تک حقیقت حال تک پہونچنے کی خوبی یہ دونوں خوبیاں ان کی تحریروں اور تقریروں کو سننے کے بعد عیاں ہوتی ہیں، مولانا عبدالدیان صاحب رحمانی استاد حدیث جامعہ رحمانی مونگیر نے فرمایا کہ مولانا کی علمی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ،اللہ تعالیٰ ان کے حسنات کو قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور پسماندگان کو صبر وثبات کی توفیق عطا کرے، پھر آپ نے اجتماعی دعا کرائی جبکہ مجلس کی ابتدا مولانا اسعد اللہ قاسمی کی کی تلاوت کلام پاک سے ہوئی۔

معاشرہ کی اصلاح میں دارالقضاء کا کردار

قاضی محمد ریاض ارمان قاسمی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں صلح کو خیر کہا ہے، دوگروہ آپس میں جھگڑ پڑیں توصلح کرانے کی تاکید آئی ہے، اسی طرح میاں بیوی کے درمیان نزاع کی صورت پیدا ہو جائے، تو بھی حکم دیا گیا کہ اولا میاں بیوی خود ہی صلح کرلیں، صلح نہ ہو سکے تو دونوں خاندانوں سے حَکَم متعین کیے جائیں اور وہ صلح کی کوشش کریں؛ تاکہ نکاح کے ذریعہ جو مقدس رشتہ وجود میں آیا ہے، اس کو بچایا جا سکے۔
ہمارے ملک کے اکثر صوبوں میں مسلمانوں کے آپسی نزاع کو حل کرنے کے لیے دارالقضاء کا نظام قائم ہے، بہت سارے کاؤنسلنگ سینٹرز بھی قائم ہیں، حکومتی سطح پر ہر چھوٹے بڑے شہروں اور قصبات میں مہیلا منڈل بھی ہوتے ہیں، سرکاری عدالت کے وکلاء بھی اس سلسلہ میں اپنی دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہیں، بسا اوقات مساجد میں ائمہ بھی خانگی معاملات میں صلح کی کوشش کرتے ہیں، حتی کہ ہماری ملکی عدالتیں بھی آپسی صلح وآشتی کی کوششوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔

اس وقت ہمارے پیش نظر دارالقضاؤں کے ذریعہ ہونے والی صلح اور ان کی کارکردگی پیش نظر ہے، خاندان میں اختلاف ہو جائے، چاہے وہ میاں بیوی کا اختلاف ہو، یا بھائی بہنوں کے درمیان حصول وراثت یا تقسیم وراثت کا اختلاف ہو، یا دو فرد کے درمیان مالیات یعنی قرض، پراپرٹی، تجارت یا آپسی لین دین کا اختلاف ہو، غرض کہ کسی بھی طرح کا اختلاف ہو، اس کو دارالقضاء سے حل کرنے کی مثبت کوشش کی جاتی ہے، اور اس کی چند صورتیں ہوتی ہیں۔

(الف) صلح بتراضی طرفین کا طریقہ: ۔فریق اول اپنا معاملہ قاضی شریعت کے پاس درخواست کی شکل میں پیش کرتا ہے، پھر فریق دوم کو اس درخواست کی نقل بھیجی جاتی ہے، اور اس پر لگائے گیے الزامات کی وضاحت طلب کی جاتی ہے، فریق دوم کی طرف سے وضاحت آجانے کے بعد دونوں فریق کو ایک ساتھ بٹھا کر قاضی محترم اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی روشنی میں معاملہ سے متعلق اصلاحی گفتگو کرتے ہیں، اور فریقین کا موقف پورے صبر وضبط سے سنتے ہیں، اور فریقین کو نقطہ اتحاد پر لانے کی کوشش کرتے ہیں، اگر فریقین کسی ایک بات پر متفق ہو جائیں تو ایک تحریر بنا دی جاتی ہے جس میں فریقین کے گواہان اور قاضی شریعت کے دستخط اور مہر ثبت ہوتے ہیں۔

(ب) صلح مابین زوجین: ۔معاملہ میاں بیوی کا ہو اور فریقین کسی ایک بات پر متفق ہوں تو صلح نامہ بنا دیا جاتا ہے۔اگر متفق نہ ہوں، تو ان سے صلح کے تعلق سے ان کی شرطیں معلوم کی جاتی ہیں، دونوں فریق اپنی شرطوں کو لکھ کر دیتے ہیں، پھر قاضی صاحب ان پر غور کرتے ہیں اگر وہ شرائط شریعت کے مطابق ہوتی ہیں، تو ان کو صلح کی شقوں میں درج کر دیا جاتا ہے، اگر کوئی شرط غیر شرعی ہو، تو فریقین سے بات کرکے اس کی وضاحت کی جاتی ہے، اور فریقین کو ایسی شرطوں سے دستبردار ہونے کی ہدایت کی جاتی ہے، اور ان کی مرضی سے متفقہ شرطوں کے ساتھ صلح کی تحریر لکھی جاتی ہے۔

صلح کی تحریر کا خلاصہ: ۔میاں بیوی کے تنازعات میں عموما یہ صورت ہوتی ہے کہ وہ ساتھ رہنا چاہتے ہیں یا نہیں۔اگر ساتھ رہنا چاہتے ہیں، تو ایسا صلح نامہ بنایا جاتا ہے، جس میں درج ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے حقوق واجبہ کو ادا کریں گے، کسی بھی طرح کی جسمانی اور ذہنی تکلیف نہیں دیں گے، گالم گلوچ اور آپسی مار پیٹ سے پرہیز کریں گے، فریقین ایک دوسرے کے خاندان والوں کا عزت واحترام کریں گے، اور فریقین کے خاندان والے دونوں کی نجی زندگی میں کسی بھی طرح کی مداخلت نہیں کریں گے، بلکہ ازدواجی زندگی کے گذارنے میں اپنا تعاون پیش کریں گے۔

(ج) صلح بذریعہ تحکیم: ۔صلح کی ایک شکل تحکیم کی ہوتی ہے۔میاں بیوی کے درمیان اختلاف کی صورت میں قاضی شریعت فریقین کے قریبی رشتہ داروں میں سے ایک یا دو لوگوں کو حَکَم متعین کرتے ہیں، اور ان کو صلح کا طریقہ بتاتے ہیں، حَکَم حضرات میاں بیوی کے درمیان صلح کی حتی الامکان کوشش کرتے ہیں، چوں کہ خاندان کے لوگوں کا اثر فریقین پر ہوتا ہے، اس لیے فریقین ان کو اپنا ہمدرد خیال کرتے ہیں، نیز خاندان کے لوگوں سے بہت سے معاملات میں ضرورت پڑتی رہتی ہے، اس لیے ان کی بات کو نظر انداز کرنا عموما مشکل ہوتا ہے۔ لہذا تحکیم کے ذریعہ صلح ہونا آسان ہو جاتا ہے، البتہ خاندان کے لوگ اپنی ذمہ داری میں کوتاہی کرتے ہیں، جس سے بسا اوقات صلح ہونے کے بجائے نزاع کی شکل پیدا ہو جاتی ہے، حَکَم جس کے رشتہ دار ہوتے ہیں اس کی طرف داری کرتے ہیں، یا اس کا لحاظ رکھتے ہیں، جس سے معاملہ اور الجھ جاتا ہے، جب کہ حَکَم کا کام یہ ہے کہ وہ کسی بھی فریق کی طرف داری نہ کرے، بلکہ عدل سے کام لے، جس کی زیادتی اور غلطی ہو، اس کی نشاندہی کی جائے اور اس کو اس کی غلطی سے باز رہنے کی تلقین کی جائے اور اپنے خاندانی اثر ورسوخ کا استعمال کرکے دونوں فریق کو صلح پر آمادہ کریں، صلح پر آمادہ ہونے کی صورت میں صلح نامہ بنایا جاتا ہے۔
فریقین نے پہلے سے طے کر رکھا ہو کہ ساتھ نہیں رہنا ہے، اور قبیلہ وخاندان کے بااثر افراد کی اصلاح حال کی کوشش بار آور نہ ہو سکی ہو، تو میاں بیوی کا معاملہ خلع ومبارات کے ذریعہ حل کیا جاتا ہے، ملکی حالات کی بناء پر عام طور پر مرد ایک ساتھ نہ رہنے کی صورت میں طلاق دینے سے گریز کرتا ہے، اور عورت بھی بذات خود خلع لینے سے گریز کرتی ہے۔تاکہ اس کو دوسری شادی میں دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے، اور اس پر یہ الزام نہ آئے کہ اس نے ازدواجی زندگی میں عدم برداشت سے کام لیا، اور خلع لے کر علیحدگی اختیار کرلی۔

(د) علیحدگی بذریعہ مبارات: ۔ایسی صورت میں فریقین کے معاملہ کو مبارات کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، جس میں فریقین میں سے ہر ایک دوسرے کو نکاح سے متعلق حقوق سے بری کر دیتا ہے۔عموما خلع یا مبارات میں فریقین آپسی حسد وبغض اور انتقامی کارروائی کے طور پر اس بات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ خلع یا مبارات کی وجہ لکھی جائے، تاہم شریعت مطہرہ کا مزاج برائی کو دبانے کا ہے، نہ کے پھیلانے کا؛ لہذا قاضی حضرات علیحدگی کی وجہ کو نہیں لکھتے ہیں، تاکہ مستقبل میں ہر فریق شر سے محفوظ رہ سکے۔

(ہ) علیحدگی بذریعہ خلع: ۔میاں بیوی میں علیحدگی خلع یا مبارات کے ذریعہ ہو تو خلع نامہ میں کچھ ایسی شقیں بھی درج کی جاتی ہیں، جن سے فریقین مستقبل میں نکاح کے تعلق سے ایک دوسرے کے شر سے مکمل طور پر محفوظ رہ سکیں، چوں کہ خلع اور مبارات کی کوکھ سے بہت ساری پریشانیاں جنم لیتی ہیں، اس لیے بوقت خلع ہی ان کے تدارک کی کوشش کی جاتی ہے۔مثلا خلع کے وقت سامان جہیز، زیورات اور مالی لین دین کا مسئلہ سر ابھارتا ہے، اسی طرح فریقین کی اولاد ہو تو ان کی پرورش اور تعلیم وتعلم کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے، نیز بچوں کی عمر کے لحاظ سے بھی علیحدگی کا معاملہ پیچیدہ ہو جاتا ہے۔مرد سوچتا ہے کہ اگر یہ میری نہ رہی تو کسی جگہ بھی خوش نہ رہ سکے، لہذا مرد بچوں کو لینے پر بضد ہوتا ہے، اور کبھی عورت کسی بھی حال میں بچوں کو چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتی ہے، اگر ایک فریق بچہ کو اپنے پاس رکھ لے تو دوسرے فریق کو ملاقات اور بات کرنے نہیں دینا چاہتا ہے۔حالاں کہ رشتہ نکاح میاں بیوی کا ختم ہوتا ہے، ماں باپ کا رشتہ بچوں سے ختم نہیں ہوتا ہے، بچے ہر صورت میں ماں باپ کے ہوتے ہیں۔قیامت تک اور مابعد قیامت بھی بچہ اپنے ماں باپ ہی کی طرف منسوب ہوں گے، اس لیے ساتھ ساتھ بچوں کے معاملہ کو بھی حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور شرعی حدود کی پوری رعایت رکھی جاتی ہے۔

دارالقضاء میں آئے ہوئے معاملات میں سے نوے پچانوے فیصد معاملات صلح کی مذکورہ شکلوں کے ذریعہ ہی حل ہو جاتے ہیں، پانچ یا دس فیصد معاملات ہی ایسے ہوتے ہیں، جن میں صلح نہیں ہو پاتی ہے۔بہر حال دارالقضاؤں کی یہ بڑی حصول یابی ہے کہ اسی کے ذریعہ معاشرہ میں پھیلی ہوئی آپسی ناچاقی، بغض وعداوت اور اختلافات کو بڑے ہی حکمت اور آسانی کے ساتھ کم خرچ اور کم وقت میں آپسی رضامندی سے حل کر دیا جاتا ہے، اور مزید بگاڑ پیدا ہونے سے معاشرہ کو بچا لیا جاتا ہے۔

Scanned with CamScanner

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک

محمد اسعد اللہ قاسمی منیجر نقیب

انسان فطرتاً آزاد پیدا ہوا ہے اس لئے اس کی فطرت میں ہے کہ وہ آبادیوں کے درمیان رہے، کوئی شخص کتنا بھی تنہا رہنا پسند کرتا ہو پھر بھی وہ آبادیوں کے درمیان ہی رہتا ہے، اس کا مکان ایسی جگہ پر ہوگا جہاں کچھ لوگ آباد ہوں گے، جب انسان کا آبادیوں کے درمیان رہنا ناگزیر ہے تو یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے معاملات تعلقات دوسرے لوگوں سے ہوں، ارسطو کا مشہور مقولہ ہے کہ "انسان ایک سماجی جاندار ہے"، اس تعلق میں خاندان اور رشتہ دار کو چھوڑ دیں تو سب سے زیادہ واسطہ انسان کا اپنے پڑوسیوں سے پڑتا ہے، جب ہمارا معاملہ پڑوسیوں کے ساتھ اچھا ہوتا ہے یا ہمارا پڑوسی اچھا، اخلاق منداور ملنسار ہوتا ہے تو یقیناً ہم بہت سکون کے ساتھ رہتے ہیں، کسی جگہ سفر کرنا ہو تو تنہا گھر چھوڑ کر جانے میں عافیت محسوس کرتے ہیں، اچھے پڑوسی کا ملنا یا اپنے پڑوسی کے لیے ہمارا اچھا ہونا یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اس کے برعکس اگر پڑوسی کا معاملہ ہمارے ساتھ یا ہمارا معاملہ پڑوسی کے ساتھ اچھا نہیں رہتا تو زندگی اجیرن بن جاتی ہے، ہم اس کے ایک ایک عیب کی تلاش میں رہتے ہیں، اس کے گھر کون آیا؟ کہاں سے آیا؟ کیوں آیا؟ اس پر ہماری گہری نگاہ رہتی ہے، اور اس ٹوہ میں ہم یہاں تک پہونچ جاتے ہیں کہ اس کے گھر کے معاملات کا اس سے کہیں زیادہ مطلب ہم نکال لیتے ہیں، آنے والے شخص کے مقصد کو اس سے زیادہ ہم سمجھنے لگتے ہیں، جس کا حقیقت سے دور دور کا واسطہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے والدین، پڑوسی ورشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کے بعد فرمایا کہ اللہ رب العزت شیخی بگھارنے والوں کو ناپسند فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ حاکموں کا حاکم ہے، اسے معلوم ہے کہ ان برائیوں کی بنیاد کیا ہے قرآنی اسلوب سے مطلب واضح ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ ہمارے معاملات بگڑنے کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اندر تکبر ہے، یہ تکبر و گھمنڈ ہمارے اندر کئی وجوہات سے پیدا ہوتا ہے، ان میں سے ایک علم ہے، ہمارے پڑوس میں رہنے والا اگر کم پڑھا لکھا ہے تو ہم اس سے میل جول رکھنا پسند نہیں کرتے، اسے نیچا سمجھتے ہیں، اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا پسند نہیں کرتے ہیں۔

دوسری وجہ مال و دولت ہے، اگر ہمارا پڑوسی ہم سے مالداری میں کمتر ہے یا غریب ہے تو عموماً ہم اس سے دوری بنا لیتے ہیں، اس کی چھوٹی سی غلطی ہمارے لئے بڑی بات ہو جاتی ہے جس کو بنیاد بنا کر ہم اس سے لڑنے جھگڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، تکبر عہدہ کا بھی ہوتا ہے؛ اگر ہم اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں اور پڑوسی مزدوری کرنے والا یا کمزور ہے تو عہدہ کے زعم میں ہم اس سے دشمنی رکھتے ہیں اور اسے نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

کبھی پڑوسی کا جھگڑا گھر سے نکلنے والے پانی کو لے کر ہوتا ہے کبھی راستے کو لے کر کبھی چھوٹے بچوں کے آپسی جھگڑوں کو بنیاد بنا کر لڑنے جھگڑنے کا جواز نکالتے ہیں، سچ بات یہ ہے کہ گھر کا پانی گھر میں رہے گا نہیں، اسے گھر سے نکلنا ہی ہے، بس ہمارا جھگڑا اس بات پر موقوف ہوتا ہے کہ ایک انچ اِدھر یا ایک انچ اُدھر، راستہ کسی کا آپ روک نہیں سکتے اسے نکلنے کے لئے راستہ ہم دیتے ہی ہیں بس ایک فٹ اِدھر یا ایک فٹ اُدھر، اسی طرح بچوں کی فطرت ہے آپس میں کھیلنا، اور کھیل کھیل میں جھگڑے کرنا؛ لیکن اس کو ہم اور آپ اتنا بڑا بنا دیتے ہیں کہ ایک دوسرے کی جان کے دشمن بن جاتے ہیں، یہ ناسور ہمارے معاشرے میں کم و بیش ہر جگہ ہے، حتیٰ کہ جو لوگ اپنے آپ کو مہذب تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ سمجھتے ہیں وہ بھی ان بیماریوں میں مبتلا ہیں وہ بھی اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے نہیں نظر آتے، اگر کم پڑھے لکھے لوگ اس طرح کی حرکت کرتے ہیں تو اتنا دکھ نہیں ہوتا؛ لیکن جو لوگ علم رکھتے ہیں اور حق و ناحق کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کے پیش نظر پڑوسیوں کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان اور اس کے حقوق کی پامالیوں پر اللہ تعالیٰ کی وعیدیں رہنی چاہئے، ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو بنیاد بنا کر گالی گلوج اور جھگڑے کو فروغ دینا کسی بھی صورت میں اسلام میں جائز نہیں ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کے حقوق اور ان کے ساتھ اچھے تعلقات و معاملات کی تاکید فرمائی ہے، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑوسیوں کے حقوق کے سلسلہ میں اتنی تاکید فرمائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں اللہ تبارک وتعالیٰ اولاد و رشتہ دار کی طرح کہیں پڑوسیوں کو بھی وراثت میں حصہ کا حکم فرما دیں، ہم لوگ پڑوسی صرف گھر کے قرب و جوار میں رہ رہے لوگوں کو سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن کریم میں "والصاحب بالجنب" اپنے ساتھ اٹھنے بیٹھنے، سفر کے دوران جو تھوڑی دیر کے لیے ساتھی ہوتے ہیں اور سفر ختم ہونے کے بعد دوبارہ ان سے ملاقات کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی، ایسے لوگوں کے ساتھ بھی قرآن کریم میں حسن سلوک کرنے اور ان کی راحت و آسانی کا خیال رکھنے کی تاکید فرمائی ہے، ہم مسلمان ہیں تو ہمیں پڑوسیوں کے ساتھ اچھے معاملات و مراسم کو روا رکھنا چاہیے، اس سے ہمارے اندر کی بہت سی کمی و کوتاہی پر پردہ پڑ جاتا ہے، دکھ مصیبت کے وقت بھی ہمارے بہت سے کام پڑوسیوں کے واسطے سے انجام پا جاتے ہیں اور بے خوف و خطر ہم خوشی خوشی زندگی گزارتے ہیں، وہ بہت سے کام میں ہمارے معاون بن کھڑے ہو جاتے ہیں، خاص طور پر جب گھر میں کوئی بیمار ہو، گھر میں شادی بیاہ کا موقع ہو، کسی کا انتقال ہو جائے تو ان موقعوں میں زیادہ تر پڑوسی ہی ہمارے کام آتے ہیں، اگر کسی گاؤں، محلہ یا علاقے میں پڑوسیوں کے ساتھ عدم اعتماد اور نااتفاقی کی وبا عام ہو تو ان جگہوں میں آدمی گھر بنانے سے پرہیز کرنے لگتا ہے، اگر گھر بناتا بھی ہے تو گھٹن محسوس کرنے لگتا ہے، گھر اور مکان سکون حاصل کرنے کے لیے ہوتے ہیں؛ لیکن پڑوسی کے ساتھ اچھے معاملات نہ ہونے کی وجہ سے زندگی اجیرن بن جاتی ہے، ہمیں چاہیے کہ اگر پڑوسی سے کسی بات پر نااتفاقی ہو جائے تو بھی تحمل و برداشت اور خوش اسلوبی کے ساتھ معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کریں، اگر اس کے لیے کسی دوسرے کی ضرورت پڑے تو ان سے مدد لے کر اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کریں اور حتی الامکان اس بات کی کوشش کریں کہ معاملہ قابو سے باہر نہ ہونے پائے۔ ایسے وقت میں علم، مالداری، کثرت اولاد اور عہدے کے زعم میں کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جس سے پڑوسی کی دنیوی اور اپنی اخروی زندگی تباہ ہو، اللہ تعالیٰ ہمیں پڑوسیوں کے حقوق کی حفاظت اور مکمل اسلامی زندگی گزارنے والا بنائے آمین یارب العالمین

اردو میں استعمال فارسی محاورے

ابونشر

پچھلے ہفتے کی بات ہے، ایک عزیز دوست نے مشورہ دیا: ''حضور! اُردو میں استعمال ہونے والے فارسی محاوروں کی طرف بھی توجہ دیجیے''۔ عرض کیا: ''حضرت! یہاں تو اُردو محاوروں ہی کی مت ماری جارہی ہے، آپ کو فارسی کی پڑی ہے''۔ مگر اتفاق سے اُسی دن اُردو صحافت کے ایک مردِ صالح کی تحریر میں ایک فارسی محاورہ یوں لکھا نظر آ گیا:

''صحبتِ صالح تُرا صالح کُند　　صحبتِ طالع تُرا طالع کُند''

جب اُردو ہی سے ناواقفیت میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے، تو اب فارسی کو کیا روئیں؟ 'طالع' تو اُردو میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور 'طالع آزما' کی ترکیب ہماری سیاست میں اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتی رہی ہے۔ پھر بھی طالع کا مطلب نہ سمجھے وہ مردِ صالح۔ 'طالع' اصلاً طلوع ہونے والے کو کہتے ہیں۔ مجازاً 'طالع' کا مطلب قسمت، نصیب یا مقدر ہے۔ فیضؔ کا بہت مشہور شعر ہے:۔

گر آج اوج پہ ہے طالعِ رقیب تو کیا؟　یہ چار دن کی خدائی تو کوئی بات نہیں!

محاورے میں لفظ طالع نہیں 'طالح' ہے۔ 'طالح' کا مطلب ہے: بَد، بُرا، بَدکار۔ یہ صالح کی ضد ہے۔ مولانا جلال الدین رومیؒ کا یہ شعر جو محاورہ بن گیا ہے، یوں ہے:۔

صحبتِ صالح تُرا صالح کُند　　صحبتِ طالح تُرا طالح کُند

'تم اگر نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھو گے تو نیک بن جاؤ گے، اور بدکاروں کے ساتھ رہو گے تو خود بھی بدکاری میں پڑ جاؤ گے۔ یہ محاورہ عموماً ایسے موقع پر بولا جاتا ہے، جب کسی سے میل جول رکھنے سے منع کرنا مقصود ہو، اور منع کرنے کی وجہ اُس کی بُری شہرت ہو۔

اُردو میں دو ہزار سے زائد فارسی محاورے اس بے تکلفی سے استعمال کیے جارہے ہیں، جیسے فارسی ہمارے ہی گھر کی لونڈی ہو۔ اٹھارہویں صدی کے وسط تک تھی بھی۔ نہ صرف سرکاری بلکہ تعلیمی زبان بھی فارسی تھی۔ ہندوستان میں کیا ہندو، کیا مسلمان... تمام تعلیم یافتہ افراد فارسی فراوانی اور روانی سے استعمال کرتے تھے۔ فارسی اشعار، فارسی ضرب الامثال اور فارسی محاورے زبانِ زدِ خاص و عام تھے۔ اُردو بھی ان سے مالا مال ہوئی۔ مگر ان زر و جواہر کی صحیح قدر تو جاننے والے ہی جانتے ہیں۔ اُردو میں بھی کہا جاتا ہے کہ 'قدرِ جوہر شاہ داند یا بداند جوہری'۔ جوہر قیمتی نگینے یا موتی کو کہتے ہیں۔ بادشاہ انھیں استعمال کرتے ہیں اور جوہری انھیں پرکھتا اور بیچتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ موتی یا نگینے کی وقعت اور قدر و قیمت یا تو بادشاہ جانتے ہیں یا جوہری۔ یہ محاورہ ایسے موقع پر بولتے ہیں جب کوئی ناواقف و نادان شخص کسی قیمتی شے کی ناقدری کرے، یا ایسے موقع پر بولا جاتا ہے جب کسی شے کی سب ناقدری کر رہے ہوں، مگر اس کی قدر و قیمت کو پرکھنے اور جاننے والا اسے لے اُڑے۔ اگر کوئی احمق خود ہی اپنی کسی قیمتی شے کو اونے پونے بیچ ڈالے اور بعد میں اس کی قدر و قیمت معلوم ہو، تو کچھ نہیں ہوسکتا، کیوں کہ 'خود کردہ را علاجے نیست'۔ اپنے کیے کا کوئی علاج نہیں۔ بعض تو سرباز تعریفوں کے پُل باندھ کر کوئی گھٹیا چیز اونچے داموں بیچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تجربہ کار لوگ اُس کی باتوں میں نہیں آتے۔ کہتے ہیں: 'عطر آنست کہ خود ببوید، نہ کہ عطار بگوید'۔ عطر تو وہ ہوتا ہے کہ اپنی خوشبو سے خود پہچانا جاتا ہے، نہ کہ عطار (عطر بیچنے والے) کو زمین آسمان کے قلابے ملا کر ثابت کرنا پڑے کہ یہ عطر ہے۔ بعض لوگ اس محاورے میں عطر کی جگہ مُشک بھی استعمال کرتے ہیں۔ خیر، پسند اپنی اپنی۔ دلائل سے جعل سازی کرنے والے آنکھوں دیکھی حقیقت کے لیے بھی دلیل مانگتے پھرتے ہیں۔ مثلاً: 'ثابت کرو کہ اس وقت دن ہے'۔ ایسے لوگوں سے کہا جاتا ہے 'آفتاب آمد دلیلِ آفتاب'۔ سورج نکلنے کی سب سے بڑی دلیل خود سورج ہے۔ ویسے فارسی میں آفتاب دھوپ کو اور ماہتاب چاندنی کو کہتے ہیں۔ ان دونوں سے مجازاً مہر و ماہ مُراد لے لیے گئے ہیں۔ گویا کہا جاسکتا ہے کہ سورج نکلنے کی سب سے بڑی دلیل دھوپ ہے، اور چاند نکلنے کی دلیل چاندنی ہے۔ اگر کسی سے کہیے کہ 'تارے ڈوب گئے ہیں' پھر بھی وہ پوچھے کہ سحر ہوئی یا نہیں؟ تو ایسے موقع پر کہا جاتا ہے کہ 'عاقلاں را اِشارہ کافیست'۔ عقل رکھنے والوں کے سمجھنے کو اشارہ ہی کافی ہے۔ تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ کچھ لوگ 'عاقلاں' کی جگہ 'عقل مند' کہہ کر عقل مند بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر کوئی شخص عقل مند ہے یا نہیں؟ اس کا پتا کیسے چلے؟ فارسی محاورہ کہتا ہے کہ اُس سے بات کرکے دیکھ لیجیے۔ 'تا مردے سخن نہ گفتہ باشد، عیب و ہُنرش نہفتہ باشد' (یہ بھی شیخ سعدی کے ایک شعر کے دو مصرعے ہیں) جب تک کوئی شخص بولے گا نہیں، تب تک اُس کے عیب و ہنر چھپے ہی رہیں گے۔ بقول ضمیرؔ جعفری:۔

وہ تو خاموش تھے جہالت سے　　ہم اُنھیں فلسفی سمجھتے رہے

اگر ہم جیسے کسی خاموش جاہل سے کوئی شخص فلسفیانہ سوال کر بیٹھے تو 'نہ جائے ماندن، نہ پائے رفتن' والی کیفیت ہوجائے گی، یعنی رُکنے کی جگہ ملے گی نہ وہاں سے چل دینے کو پاؤں میسر ہوں گے، بے بسی کی کیفیت ہوگی، اسی کیفیت کو بیان کرنے کے لیے غالب کا یہ مصرع بھی اکثر استعمال ہوتا ہے: 'گویم مشکل، وگرنہ گویم مشکل'۔ یعنی بولوں تو مشکل، اور اگر نہ بولوں تو مشکل۔ تاہم ایسی محفل سے بھاگنا ہی پڑے تو یہ کہہ کر بھاگا جاسکتا ہے کہ 'جائے خدا تنگ نیست، پائے گدا لنگ نیست'۔ یعنی خدا کی دھرتی تنگ نہیں اور فقیر کا پاؤں لنگڑا نہیں۔ تم یہاں نہیں ٹکنے دیتے تو یہ کام (مثلاً جاہلانہ خموشی سے بیٹھے رہنے کا کام) کہیں اور جاکر کرلوں گا۔ 'جائے خدا' کی جگہ بعض لوگ 'مُلکِ خدا' استعمال کرتے ہیں، اور 'پائے گدا' کی جگہ 'پائے مَرا' (میرا پاؤں)، مگر محاورے میں 'جائے خدا' اور 'پائے گدا' ہی ہے۔

گدا پر یاد آیا کہ ہم بھی تو بین الاقوامی گدا ہیں۔ گدائی کی خُو ہم میں صدیوں کی غلامی سے پیدا ہوئی ہے۔ غلامی کی خو، خوئے بد ہے (خُو کا مطلب ہے سرشت، عادت، مزاج)۔ کہا جاتا ہے کہ 'خُوئے بد را بہانہ بسیار'۔ بُری خصلت کو ہزار بہانے مل جاتے ہیں۔ یہ ذہنی غلامی ہی تو ہے کہ کچھ لوگ اردو نثر سے عربی و فارسی تراکیب اور عربی و فارسی محاوروں کو بے دخل کر کے صرف انگریزی تراکیب اور انگریزی اصطلاحات رائج کرنے کے ناصح بنے ہوئے ہیں۔ ان میں اُردو سے رزق کمانے والے بھی ہیں۔ یعنی مطبوعہ اور برقی ذرائع ابلاغ پر اُردو صحافت ہی کو ذریعۂ روزگار بنائے ہوئے ہیں۔ مگر وطنِ عزیز سے بدیسی زبان کا تسلط ختم کرنے کے خواہاں صحافیوں کو نفاذِ اُردو کے خلاف شور مچانے والوں کے غوغا کی بالکل پروا نہ کرنا چاہیے۔ قومی زبان کی بالادستی کی کوشش جاری رکھنا چاہیے، یاد رکھیے: 'آوازِ سگاں کم نہ کُند رزقِ گدا را'۔ کتوں کا بھونکنا فقیر کا رزق کم نہیں کردیتا۔ لہٰذا بھونکتوں کو بھگانے میں وقت ضائع کرنا چاہیے نہ انھیں ڈھیلا مارنے میں مصروف ہوکر اپنا رستہ کھوٹا کرنا چاہیے۔ یہ محاورہ دراصل عرفیؔ کے ایک شعر کا دوسرا مصرع ہے۔ پہلا مصرع یوں ہے: 'عُرفیؔ تو میندیش زِ غوغائے رقیباں'۔ یہاں 'میندیش' کو ''مَ یَندیش'' پڑھیں گے۔ یعنی: 'اے عُرفیؔ! تُو رقیبوں کے شور غوغا سے کسی اندیشے یا خوف میں مبتلا مت ہو'۔

Scanned with CamScanner

سیکولر پارٹیوں کا مایوس کن رویہ؟

سرفراز احمد قاسمی

ملک کی آزادی کو 75 سال ہونے کو ہے، اس دوران بھارت کے مسلمان اسی امید کے ساتھ زندگی گذارتے رہے کہ عوامی ووٹ سے منتخب ہونے والی مختلف حکومتیں ہمارا بھی خیال کریں گی، ہمارے مسائل پر بھی توجہ دے گی، برادران وطن کی طرح ہمیں بھی اس ملک میں یہاں کے وسائل سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملے گا، لیکن افسوس ایسا نہ ہوسکا، حکومتیں بنتی اور بگڑتی رہیں لیکن کسی پارٹی اور حکومت نے سنجیدگی کے ساتھ مسلمانوں پر توجہ نہیں دی، نہ انکے مسائل کو حل کرنے میں کوئی دلچسپی دکھائی، ساری پارٹیوں نے مسلمانوں سے انکا ووٹ تو حاصل کیا لیکن بھارت کے مسلمانوں کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، ترقی نام کی چڑیا مسلمانوں کے قریب سے بھی نہیں گذری، نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی حالت دن بہ دن بد سے بدتر ہوتی گئی، ساری پارٹیوں نے انھیں نظر انداز کیا، ہمیشہ کسی نہ کسی بہانے سے مسلمانوں کا استحصال کیا جاتا رہا، کبھی یہاں مسلمانوں کو فسادات کے ذریعے برباد کیا گیا، کبھی تعلیمی میدان میں منظم پلاننگ کے تحت پیچھے رکھا گیا، کبھی انھیں جھوٹے اور فرضی الزامات کے تحت جیلوں میں بھر کر انکی زندگیاں اجیرن بنادی گئی، ملک جب آزاد ہوا تو اسے سیکولرزم کا لباس پہنایا گیا اور پھر اسی انداز میں دستور کو مرتب کیا گیا، لیکن اس نام نہاد سیکولرزم نے ملک کے مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہونچایا، گویا ایک طریقے سے سیکولرزم کا راگ الاپ کر مسلم قوم سے فراڈ کیا گیا، سیاسی لیڈروں نے سیکولرزم کو اپنے ووٹ بینک اور موقع پرستی کے لئے استعمال کیا، مسلمانوں سے نفرت انکی گھٹی میں پڑی رہی، یہ ٹوپی پہن کر مسلمانوں کو ٹوپی پہناتے رہے، گلے میں رومال ڈال کر، کرتا پاجامہ زیب تن کر کے یہاں کے مسلمانوں کے آرزو ارمان کا خون کرتے رہے، سیکولر کہلانے والے لیڈروں نے ٹوپی تو پہنی، مسلمانوں کے مذہبی پروگرام میں شرکت تو کی، افطار پارٹی کے نام پر انھیں بہلایا تو ضرور لیکن انکے دلوں سے کٹر وادی اور مسلم دشمنی ختم نہ ہوسکی، ماتھے پر تلک لگا کر انھوں نے خود کو بڑا ہندو ثابت کرنے کی تو کوشش کی لیکن یہ لیڈران حقیقی سیکولر نہ ہوسکے اور مسلمانوں سے متعلق انکا نظریہ نہ بدل سکا، بدقسمتی یہ بھی ہے کہ بھارت کے مسلمان سادہ دل واقع ہوئے ہیں، یہ فوری جھانسے میں آجاتے ہیں، کبھی انھوں نے کانگریس اور اسکے لیڈران کو اپنا مسیحا سمجھا تو کبھی کسی اور سیکولر پارٹیوں کو یہ وہ لوگ ہیں جنھیں مسلمانوں کے ووٹ کی ضرورت پڑی تو مسلمانوں نے متحد ہوکر انھیں ووٹ دیا اور انھیں اقتدار حوالے کیا، لیکن مسلمانوں کا کیا بھلا ہوا؟ انکا تعلیمی فیصد کتنا بلند ہوا؟ انھیں کتنی فیصد نوکریاں اور روزگار ملے؟ انکی فلاح بہبود کے لئے کتنی اسکیمیں بنائی گئی اور خلوص دل سے اس پر کتنا عمل کیا گیا؟ آج ملک میں مسلمانوں کی حالت انتہائی پسماندہ قوم کی حیثیت سے ہے آخر کون ہے اسکا ذمہ دار؟ کانگریس پارٹی ایک لانبے عرصے تک ملکی اقتدار پر مسلم ووٹ کے بل بوتے پر اقتدار کا مزہ لیتی رہی، اقتدار پر قابض ہونے والے فرضی سیکولر حکومتوں نے مسلمانوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے کبھی سدھیر کمیٹی، تو کبھی سچر کمیٹی اور کبھی رنگا ناتھ مشرا کمیشن تو قائم کیا، لیکن ان کمیشنوں کی سفارشات کو کبھی نافذ نہیں کیا گیا آخر ان سفارشات کے نفاذ میں کیا چیز مانع رہی؟ بدلے میں مسلمانانِ ہند کو مسلم کش فسادات کا لامتناہی سلسلہ ملا، ایک جائزے کے مطابق 90 کی دہائی تک ملک میں 67 ہزار 500 مسلم مخالف فسادات ہوچکے تھے، ان میں سے 23 ہزار 500 فسادات 1984 کے سکھ مخالف فسادات کی شدت کے تھے، 37 سال پہلے ہونے والے سکھ مخالف فسادات بلاشبہ بڑے بھیانک تھے، جس میں 2200 لوگ مارے گئے تھے، 2004 تک ہر متاثر کو دہلی اور مرکزی حکومتوں سے مختلف قسم کی مالی امداد دی جاتی رہی، لیکن اسکے باوجود اپریل 2005 میں اسوقت کے وزیراعظم منموہن سنگھ کی صدارت میں کابینہ نے 2200 متاثرین کے اہل خانہ کے لئے 7 ارب 22 کروڑ سے بھی زیادہ کی رقم مختص کردی، کیا 2005 تک برپا ہونے والے ہزاروں مسلم مخالف فسادات میں سے کسی ایک فساد کے متاثرین کے لئے بھی کانگریس یا کسی اور سیکولر حکومت نے ایسی کوئی رقم مختص کی؟ کسی نے جاکر منموہن سنگھ یا سونیا گاندھی سے نہیں کہا کہ کم سے کم 1984 تک برپا ہونے والے مسلم مخالف فسادات کے متاثرین کی ہی خبر گیری کرلی جائے" اس کو بار بار پڑھئے اور سوچئے کہ آخر ہم مسلمانوں کا قصور کیا ہے جسکی وجہ سے ہمیں ہر سطح پر نظر انداز کیا گیا، کانگریس کے دور حکومت یہ سارے فسادات ہوئے، ٹاڈا اور پوٹا جیسے خطرناک قوانین بنا کر مسلمانوں کو جیلوں میں ٹھونسا گیا، لاکھوں مسلم نوجوانوں کی زندگیاں تباہ کردی گئی، ایک تازہ رپورٹ جو انتہائی حیرت انگیز ہے، اسکے مطابق منموہن سنگھ کے دوسرے دور حکومت میں قومی سطح پر زیر سماعت ملزمین کی کل تعداد میں مسلمانوں کی تعداد ساڑھے 22 فیصد تھی، جبکہ 2011 کی مردم شماری کے مطابق بھارت کی مجموعی آبادی میں مسلمانوں کی آبادی 14,9 فیصد ہے، لا اینڈ آرڈر کا موضوع ریاستی حکومتوں کے تحت آتا ہے لہذا یہاں ریاستی سطح پر جائزہ لینا ضروری ہے، 2011 کی مردم شماری کے مطابق آسام میں مسلمانوں کی آبادی 34 فیصد ہے، لیکن وہاں کی جیلوں میں زیر سماعت مسلم قیدیوں کی تعداد ساڑھے 47 فیصد ہے، گجرات میں مسلمان دس فیصد ہیں مگر وہاں کی جیلوں میں انکی تعداد 27 فیصد ہے، مودی جب گجرات کے وزیر اعلی تھے تو زیر سماعت مسلم قیدیوں کی تعداد 24 فیصد تھی، اب اس میں تین فیصد کا اضافہ ہوگیا ہے، کرناٹک میں مسلمانوں کی آبادی 13 فیصد اور جیلوں میں 22 فیصد ہے، 2013 سے 2017 تک مسلم قیدیوں کی تعداد بھی وہاں آبادی کے تناسب کے مطابق 13 فیصد تھی، یہ اضافہ اچانک 2018 میں ہوا، کیرلا میں مسلم آبادی ساڑھے 26 فیصد ہے، جبکہ جیلوں میں انکی تعداد 30 فیصد ہے، مدھیہ پردیش میں مسلمان ساڑھے 6 فیصد ہیں، جبکہ جیلوں میں 15 فیصد ہیں، مہاراشٹر میں مسلمان ساڑھے 11 فیصد ہیں جبکہ 2015 تک جیلوں میں انکی تعداد 30 فیصد تھی، لیکن دکن ہیرالڈ کے مطابق 30 اگست 2020 تک انکی آبادی بڑھکر 14,2 فیصد ہوگئی اور جیلوں میں انکی تعداد 18,26 فیصد ہوکر رہ گئی، راجستھان میں مسلمانوں کی آبادی 9 فیصد ہے جبکہ وہاں کی جیلوں میں مسلمانوں کی تعداد 23 فیصد ہے، تامل ناڈو میں مسلم آبادی 6 فیصد ہے جبکہ جیلوں میں مسلمان 11 فیصد ہیں، یوپی کے اعداد و شمار بھی حیرت انگیز ہیں وہاں مسلم آبادی 19 فیصد ہے، اور جیلوں میں انکی تعداد 29 فیصد ہے، یعنی دوگنا سے 9 فیصد کم، مغربی بنگال میں بھی صورتحال یوپی جیسی ہی ہے یہاں مسلم آبادی 27 فیصد ہے جبکہ جیلوں میں انکی تعداد 36 فیصد ہے، بہار میں مسلمانوں کی آبادی 17 فیصد ہے جبکہ جیلوں میں 15 فیصد ہیں، اب ان تمام تفصیلات سے جو نکتہ نکل کر سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی آبادی کے اعتبار سے جیلوں میں زیادہ ہیں، مگر آخر کار زیادہ تر بری ہوجاتے ہیں، لیکن جب تک انکے معاملات تصفیہ کے مرحلے میں پہونچتے ہیں وہ اپنی زندگی کا بیشتر اور قیمتی حصہ جیلوں میں یا مقدمہ کا سامنا کرتے ہوئے گذار چکے ہوتے ہیں، وہ ٹوٹ پھوٹ کر بکھر چکے ہوتے ہیں، ایک طرف انکے اعزاء ان سے دور ہوجاتے ہیں، تو دوسری طرف انکا کاروبار یا روزگار ختم ہوچکا ہوتا ہے، اب نہ تو وہ معاشرے میں ہی سر اٹھا کر عزت کی زندگی جی سکتے ہیں اور نہ ہی وہ خاطی پولیس والوں کے خلاف تلافی کی کوئی کارروائی کرسکتے ہیں، اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ پورے ملک کی پولس انتہائی متعصب ہوچکی ہے، اور مسلم دشمنی انکے رگ وپے میں بھردی گئی ہے، آخر مسلمان ہی کیوں نشانے پر ہیں؟ کیا یہ سب ملک کے مسلمانوں سے سوتیلا سلوک نہیں ہے؟ حکومتیں آتی ہیں، چلی جاتی ہیں، چہرے بدلتے رہتے ہیں، مگر مسلمانوں کے ساتھ رویہ اور سلوک نہیں بدلتا ایسا کیوں؟ 2014 کے بعد سے تو ملک کا سیاسی منظر نامہ بالکل تبدیل ہوچکا ہے، ملکی اقتدار پر فاشسٹ طاقتیں قابض ہیں، بی جے پی حکومت اور آر ایس ایس کے لوگوں نے سیکولرزم کی ہوا نکال کر رکھدی ہے، جسکا نتیجہ یہ ہے کہ اب ہر پارٹی ایک دوسرے سے اس بات پر مقابلہ کررہی ہے کہ وہ زیادہ شدت پسند ہے یا پھر وہ ہندتوا نظریات کو فروغ دینے کی زیادہ اہل ہیں، اور اب غلطی سے بھی کوئی سیکولر پارٹی کا نمائندہ مسلمانوں کا نام لینا تک گوارا نہیں کررہا ہے اور نہ اسکی ضرورت محسوس کررہا ہے، ایسے میں وہ مسلمانوں کے مسائل کیسے اٹھائیں گے؟ گویا مسلم ووٹ کو پوری طرح بے حیثیت اور بے وزن کردیا گیا، اب کسی پارٹی بالخصوص وہ پارٹیاں جو کچھ سالوں پہلے تک سیکولر کا چولہ پہن کر گھوم رہی تھی اور انھیں اقتدار کے لئے مسلم ووٹوں کی ضرورت تھی اب انکی نظر میں مسلم ووٹ بے وقعت ہوچکا ہے تو جب انھیں مسلمانوں کے ووٹ کی ضرورت نہیں تو یہ مسلم مسائل پر توجہ کیوں دیں؟ کیوں اپنا وقت ضائع کریں؟ ایک زمانے میں راشٹریہ جنتادل سیکولرزم کی وردی پہن کر نمودار ہوا اور مسلمانوں کی صفوں میں اپنی موجودگی درج کرائی، مسلمانوں نے دل کھول کر انھیں اپنا ووٹ دیا اور بیس سال تک یہ اقتدار کا مزہ لیتے رہے، پیچھے مڑ کر انھوں نے کبھی مسلمانوں کو نہیں دیکھا اور نہ ہی انکے مسائل پر کوئی معمولی توجہ دی جو وعدہ انھوں نے مسلمانوں سے کیا تھا اسکو بھی بھلا بیٹھے، 1989 کے بھاگلپور کا فساد جو آزاد ہندوستان کا سب سے بڑا فساد تھا اسکے متاثرین کو انصاف دلانے کا وعدہ کیا لیکن یہ وعدہ ہی رہا، اب تک وہاں کے مظلوموں کو انصاف نہ مل سکا، SP بھی سیکولر کی بیساکھی کے سہارے مسلم ووٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ انھیں لوگ "ملا ملائم سنگھ یادو" بھی کہنے لگے، انھوں نے مسلم سماج کے لئے کیا کیا؟ اپنے بیٹے اکھلیش یادو کو اقتدار حوالے کیا تو بدلے میں اکھلیش نے مسلمانوں کو مظفر نگر کا بھیانک اور رونگٹے کھڑے کردینے والا فساد تحفے میں دیا، مایاوتی بھی کبھی مسلم ووٹ پر عیش کرچکی ہیں لیکن انھوں نے مسلمانوں کے لئے کیا کیا؟ دہلی میں کیجریوال کو پورے اعتماد کے ساتھ مسلمانوں نے ووٹ دیا لیکن کیجریوال اب اپنی طاقت خود کو سافٹ ہندو ثابت کرنے میں صرف کررہے ہیں، دہلی کو کئی دنوں تک جلنے کے لئے چھوڑ دیا گیا اور یہ چیف منسٹر ہوکر تماشہ دیکھتے رہے، مسلمان لٹتے رہے، کٹتے رہے، انکی عزت وعصمت پامال ہوتی رہی، گھر، دکان سب دہلی کے مسلمانوں کا تباہ کردیا گیا اور کیجریوال خاموشی سے یہ سب نظارہ کرتے رہے، بنگال میں ممتا بنرجی نے مسلمانوں سے بھیک مانگی اور مسلمانوں نے اقتدار پر کئی بار فائز کردیا لیکن بنگالی مسلمانوں کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، معاشی و تعلیمی حالت تو انکی وہاں انتہائی افسوسناک ہے، 2014 میں تلنگانہ ریاست وجود میں آئی اور پھر نئے کھلاڑی کے طور پر کے سی آر مسلمانوں کے درمیان جگہ بنانے میں کامیاب ہوگئے، 8 سال گذر جانے کے بعد بھی انھیں مسلمانوں سے کئے وعدے یاد نہیں ہیں، اور اب یہ بھی اپنے کو خالص ہندو ثابت کرنے کی دوڑ میں مصروف ہے، بابری مسجد کے کلیدی ملزم نرسمہا راؤ کا یہ خود ساختہ چیلہ انکی برسی پر کروڑوں روپے پانی کی طرح بہادیا آخر یہ کس کو خوش کرنے کے لئے؟ نظام سرکار کی قدیم عمارتیں یہ چن چن کر منہدم کرنے میں مگن ہے آخر یہ سب کس لئے؟ کیا ریاست کے مسلمان صرف افطار پارٹی اور دوسو روپے کی ساڑی کے لئے زندہ ہیں؟ ان سے کئے گئے وعدوں کا کیا ہوگا؟ کیا ان باتوں سے آپ کو نہیں لگتا کہ ان سارے سیکولر پارٹیوں اور سیاسی لیڈروں کا رویہ مسلمانوں کو مایوس کررہا ہے؟ مسلم نمائندگی اور مسلم چہرے کے نام پر جن کو ان لوگوں نے ٹکٹ دیا اور وہ کامیاب ہوتے رہے انھوں نے اپنی قوم کی ترجمانی کرنے سے زیادہ پارٹی کی وفاداری نبھائی، اور اپنی پارٹی کا قرض اتارتے رہے یا پھر مسلم مسائل پر سرد مہری اختیار کی، وہ یہ بھی بھول گئے کہ میں جس کمیونٹی سے آیا ہوں، جس حلقے سے مجھے بھیجا گیا ہے وہاں کے بھی کچھ تقاضے ہیں، کچھ مسائل ہیں لیکن وہ ان ساری چیزوں کو بھلا کر پارٹی کی وفاداری نبھاتے رہے، اقتدار کے مزے لیتے رہے، پارٹی انھیں ہر موقعے پر استعمال کرتی رہی، اور یہ استعمال ہوتے رہے، اگر ایمانداری کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو آج سیکولر پارٹیوں سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی مسلم لیڈر ایسا نہیں ہے جو یہ کہہ سکے کہ میں نے اپنی کمیونٹی کے لئے کوئی قابل ذکر کام کیا ہے، اور ترقی کی رفتار میں مسلمانوں کی شراکت کو یقینی بنایا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ علاقے جہاں مسلم آبادی کی بڑی تعداد آباد ہے اور وہاں آزادی کے بعد مسلمانوں نے مسلم قیادت کو قبول کرنے سے انکار کردیا تھا، مسلم پارٹی اور مسلم قیادت کو ٹھکرا دیا تھا آج وہاں ایک نئی لہر پیدا ہوگئی ہے، وہاں کے مسلمان خود کو ٹھگا ہوا محسوس کررہے ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تقسیم وطن کے لئے ہندو شدت پسند عناصر نے جسطرح اسوقت ماحول تیار کیا تھا آج بھی وہ لوگ یہی سب کررہے ہیں انکی حرکتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہے، ہندتوا کے علمبردار اور نفرت کے پجاری ایک عجیب بحرانی کیفیت میں مبتلا ہیں، اور وہ وقفے وقفے سے ملک کی عظیم شخصیات کے خلاف ہرزہ سرائی اور مسلم مخالف نفرت کی مہم چلا رہے ہیں، کیا ان چیزوں سے ملک محفوظ اور متحد رہ سکے گا؟ اور کیا ملک کو متحد رکھنے کی ذمہ داری صرف مسلمانوں کی ہے؟ پھر یہاں کی حکومتیں اور سیکولرزم کا چولہ پہنے سیاسی لیڈران، دانشوران اور امن ومحبت کے داعی لوگوں کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ اور کب وہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں گے؟ یہ کون بتائے اور سمجھائے گا؟ آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟ آپ بھی سوچئے میں بھی سوچوں۔

دور حاضر کا تعلیمی نظریہ۔ایک جائزہ

فردین احمد خان

اللہ تبارک وتعالی نے نوع انسانیت کے اندر علم وارتقا کی ایسی صلاحیت ودیعت فرمائی ہے کہ وہ حیرت انگیز رفتار سے نئی باتیں سیکھ سکتی اور یاد رکھ سکتا ہے۔اس کے اندر علم کے حصول،اس پر تدبر اور اسے آگے منتقل کرنے کی غیر معمولی طاقتیں موجود ہیں۔جب ایک نومولود بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسے فقط ایک یا دو چہرے یاد ہوتے ہیں جن کی آغوش میں وہ خود کو محفوظ مانتا ہے۔پھر ذرا بڑا ہوتا ہے تو اشاروں اور ہنسے،رونے کے ذریعہ اپنی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔کچھ اور بڑا ہوتا ہے تو تین چار الفاظ بولنے کی مشق کرتا ہے اور اسی طرح آگے بڑھتے۔بڑھتے شعور وآگاہی کی منزلوں کو طے کرتا ہے۔اس مثال سے ہمیں یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ انسان کے اندر اگرچہ سیکھنے کی غیر معمولی قوت موجود ہے،مگر یہ تعلیم تدریجی وارتقائی ہے نہ کہ یک بارگی حاصل ہونا۔

جس طرح ایک کتاب،چند حرفوں کے میل سے بنے دو تین الفاظ سے شروع ہوتی ہے،چند چھوٹے چھوٹے فقرے آپس میں بغل گیر ہو کر جملوں کی شکل اختیار کرتے ہیں اور یہی جملے محو معانقہ ہو کر سطور کی بنیاد رکھتے ہیں،اور یہی سطور بڑھتے بڑھتے ایک پوری کتاب کا روپ دھار لیتی ہیں؛یا یوں کہیں کہ جیسے ایک نظریہ پہلے چند مسلمہ اصولوں سے شروع ہوتا ہے،غور وفکر کی منزلوں کو طے کرتا ہوا آگے بڑھتا ہے،اصولوں پر مبنی دو تین فقرے ایک مبسوط فکر بن جاتے ہیں اور معلوم کی دنیا سے نکل کر مجہول کا پردہ اٹھ جاتا ہے،مفکر کو خبر تک نہیں ہوتی؛اسی طرح تعلیم کی راہ بھی تدریجی ہے،اس میں بھی پہلے آسان ابتدائی مراحل ہوتے ہیں جو آگے چل کر پیچیدہ افکار و دقیق نکات کے قالب میں نظر آتے ہیں۔ابتدا سے انتہا کا سفر ایک ارتقائی کیفیت کا ہوتا ہے،آسان سے مشکل کی طرف،معلوم سے مجہول کی طرف،کم سے زیادہ کی طرف،قدیم سے جدید کی طرف اور تعمیم سے تخصیص کی طرف۔

پھر اگر تعلیم کے اغراض ومقاصد پر غور کیا جائے تو وہ کافی پیچیدہ ہیں،انسان کو بنیادی تعلیم اس کے گہوارے میں ملتی ہے جہاں وہ چیزوں کو برتنے کا سلیقہ،بات کرنے کے آداب اور حسن معاملہ کے ضوابط سیکھتا اور سمجھتا ہے؛تو اس بنیادی تعلیم کا مقصد اس کے کردار کی تشکیل ہوا کرتا ہے۔اس کے بعد ابتدائی لکھنے پڑھنے کی تعلیم اسے دی جاتی ہے تاکہ اپنی بنیادی ضرورت کو پورا کر سکے،اس مرحلے پر اسے کسی ایک زبان کی تعلیم دی جاتی ہے اور یہ عموماً اس خطے کی عام بول چال کی زبان ہوا کرتی ہے۔یہاں تک تعلیم کا اصل ہدف ہوتا ہے انسان کے کردار کو ایک مضبوط بنیاد فراہم کرنا جس پر اس کی مستقبل کی شخصیت تعمیر ہوگی۔

آگے کی تعلیم وتربیت انسان کی تعمیر میں پہلی منزل ہوتی ہے،یہاں سے یوں سمجھ لیں کہ بنیاد کے اردگرد دیواریں اٹھائی جاتی ہیں،وہ اصول وضوابط جو انسان نے سیکھے ہیں ان کی مزید شرح وتوضیح کی جاتی ہے،اور اسے دقیق مسائل کی تمہید باور کرائی جاتی ہے۔اسی تمہیدی علم سے اس کی فکر ونظر بیدار ہوتی ہیں،اور سمجھ بوجھ پہلی انگڑائی لیتی ہے۔یہاں اسے وہ طرق اور ضابطے بتائے جاتے ہیں جنہیں مستقبل میں وہ استعمال کر کے دقیق سے دقیق مسائل کا حل تلاش کرنے میں کامیاب ہوگا۔

پہلے مرحلے کو ہم پرائمری،دوسرے کو جونیئر کہہ سکتے ہیں۔ان دونوں مراحل کے بعد جو تعلیم کا دور آتا ہے اسے سینیئر یا ثانوی مرحلہ کہہ سکتے ہیں۔یہ تعلیم کا وہ دور ہوتا ہے جہاں انسان کی زندگی بھر کی تعلیم کے ثمرات نظر آنے لگتے ہیں۔اس کی شخصیت کسی حد تک تعمیر ہو چکی ہوتی ہے،اس کے اندر تحریر وتقریر،کتابت وبیان کی صلاحیتیں،نکات کی افہام وتفہیم کی استعداد،تعلیم وتعلم کی اچھی خاصی سمجھ بوجھ ودیعت ہو جاتی ہے۔اسی دور میں اسے دشوار گزار امتحانات سے گزرنا پڑتا ہے اور انہیں پار کر کے ہی وہ تعلیم یافتہ کہلا سکتا ہے۔

اس کے آگے کی تعلیم ویسی ہمہ جہت نہیں ہوتی جیسی پہلے کی تھی،اور عمومی طور پر اس تعلیم کے لیے الگ سے ادارے،یونیورسٹیاں،قائم کی جاتی ہیں۔اس منزل پر آ کر انسان اپنے مستقبل کا شغل منتخب کرتا ہے،یہ انتخاب اس کی دلچسپی،صلاحیت اور شخصیت کے مطابق ہوا کرتا ہے۔جس انسان کو جو بھی شعبہ زندگی پسند آتا ہے وہ اسے منتخب کر کے اپنی راہ متعین کر لیتا ہے۔اس تعلیم کا محور ومرکز صرف وہ شعبہ زندگی ہوتا ہے جسے طالب نے منتخب کیا ہوتا ہے۔یہاں ہمہ جہت تعلیم فراہم نہیں کی جاتی چوں کہ یہاں اصل مقصد اس کی تشخیصی تعمیر نہیں بلکہ اسے ایک مخصوص شعبہ زندگی میں بہترین کارکردگی انجام دینے اور خود کو وہاں ایک بہترین جزو کے طور پر ثابت کرنے کے لیے تیار کرنا ہوتا ہے۔مثلاً،ڈاکٹری پڑھنے والے کو ایک اچھا ڈاکٹر بنانا،انجینئر کو اس کے فن کا ماہر،ادیب کو بہترین نواسنج،وغیرہ غرض یہ کہ ہر شخص کو اس کے شعبے کی تعلیم سے آراستہ و پیراستہ کرایا جاتا ہے۔

حالات: مگر دور حاضر کے تعلیمی نظریے کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ دنیا پر منفعت پرست سرمایہ دار نظام کا غلبہ ہو چکا ہے،تعلیمی طرق بھی اسی کے مطابق تبدیل کر دیے گئے،اب تعلیم قدیم دور کی طرح بہترین وعمدہ افراد پیدا کرنے پر نہیں بلکہ نفع بخش اور سود ساز افراد پیدا کرنے پر مرکوز ہے۔بلا شبہ جس شخص کو بھی تعلیم دی جاتی ہے،تکمیل پر اس سے سوائے اس کے کوئی اور توقع نہیں ہوتی کہ وہ ایک مخصوص ملک،ادارے یا شخص کو منافع پہونچائے۔جب نظام میں تبدل آیا،لوگوں کی ذہنیت بھی ویسے ہی تبدیل ہو گئی،اب وہ اپنی اور اپنے بچوں کی تعلیم کو نفع رسانی اور معاشی میزان پر تولنے لگے، یا یوں کہیں کہ تعلیم یافتہ ہونے کی علامت سرمایہ داری بن گئی۔اس قاعدے سے،اگر آپ نے بہت اعلی تعلیم حاصل کی ہے،مگر اس تعلیم سے آپ ایک اچھا خاصا سرمایہ پیدا نہیں کر رہے ہیں تو وہ تعلیم اعلی نہیں بلکہ عبث ہے!

اسی نظریے کے سبب ہمارے وقت میں فنون لطیفہ کا وہ حال ہوا جو پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔

زبان،فلسفہ،سیاسیات،عمرانیات،تعلیمات وادبیات کے اتنے طالب علم شاید آپ کو نہ نظر آئیں جتنے ڈاکٹری،انجینری،اقتصادیات ومعاشیات کے ملیں گے؛وجہ صاف ہے،ان شعبہ جات میں اتنا سرمایہ نہیں جتنا باقی تمام میں ہے۔ایک اور نقص دور جدید کے نظام تعلیم میں یہ بھی واقع ہوا کہ سرمایہ داری کی سوچ نے تعلیم کی عمدگی سے مکمل قطع نظر کر لیا اور سارا زور اس بات پر دیا کہ اس کے نتیجے میں کتنا سرمایہ پیدا ہو رہا ہے۔اسی بنا پر تعلیم کا معیار بد سے بدتر ہو چلا،کالج اور یونیورسٹیوں کی تعداد روز افزوں ہوئی مگر وہاں کا معیار تعلیم گرتا چلا گیا۔یہی وجہ ہے کہ دنیا میں تعلیم یافتہ حضرات کی قلت ہے مگر ڈگری یافتہ لوگوں کی تعداد زیادہ ہے۔اسی نظام کا نتیجہ ہے کہ دنیا میں بے روزگاری آسمان چھو رہی ہے جب کہ ہر سال کالج،یونیورسٹیوں سے کروڑوں کی تعداد میں افراد سند یافتہ فارغ ہو رہے ہیں۔

طریق کار: دنیا کے کسی بھی خطے میں جب تعلیم کا اہتمام کیا جاتا ہے تو سب سے پہلے طالب کو تعلیم کی زبان سے آشنا کرایا جاتا ہے۔کیوں کہ زبان ہی قفول علوم وحکم کی کلید ہے،بغیر اس کے کوئی شخص کسی بھی تصور کی عکاسی نہیں کر سکتا۔اور عکاسی نہ ہونے پر اس کی تفہیم،اس پر تدبر اور اس کا ابلاغ قریب محال ہے۔لہذا تعلیم کا بہترین طریقہ تعلیم زبان سے شروع ہوتا ہے۔جس سے طالبان علم کو یہ نکتہ بھی اخذ کرنا چاہیے کہ اگر زبان پر درک حاصل نہیں ہوگا تو کبھی کامرانی کا تاج نہیں مل سکتا۔تعلیمی اداروں کو بھی چاہیے کہ وہ زبان کی تعلیم پر خوب زور دیں،کسی بھی درجے پر پہنچ کر زبان کی تعلیم بند نہیں ہونی چاہیے۔بلکہ میں تو یوں کہوں گا کہ کیا ہی اچھا ہو اگر ہر ادارے سے فارغ افراد اپنے متعینہ فنون میں مہارت تو رکھتے ہی ہوں مگر زبان کے بھی نکتہ رس شناور ہوں۔ایسا معاشرہ ضرور علم وادب کا گہوارہ بن جائے گا جہاں کے افراد ماہرین فنون بھی ہوں اور اہل زبان بھی۔پھر تعلیم کے طریقہ کا دوسرا سب سے بڑا عنصر ہے تصورات کی تفہیم کتنی ہی مرتبہ دیکھا گیا کہ تعلیمی اداروں میں مختلف وجوہات کی بنا پر طلبہ کو تصورات سمجھانے کی بجائے انہیں نکات رٹائے جاتے ہیں۔اس طرح کی تعلیم سوائے امتحانات میں چند نمبر دلانے اور کس کام آ سکتی ہے؟ اگر تصور کو سمجھا ہی نہیں تو گویا اس کا ادراک نہیں کیا اور جب ادراک ہی نہیں کیا تو اس کا علم کیوں کر حاصل ہو گیا؟ یہی وجہ ہے کہ ایسے اداروں سے فارغ ہونے والے افراد کو اپنی زندگی کا ایک بہتر حصہ ذریعہ معاش سے فراغت میں ہی بتانا پڑتا ہے۔کہیں نا اہل اساتذہ کے سبب کہیں کسل زدہ طلبہ کی وجہ سے،یہ واقعات دیکھنے میں آتے ہیں۔افسوس کی بات ہے کہ طلبہ کا بھی یہ ذہن بن چکا ہے کہ فلاں موضوع صرف پاس ہونے کے لیے پڑھنا ہے،فلاں موضوع کے تصورات سمجھ میں نہیں آ رہے ہیں،اس لیے انہیں رٹ لیتا ہوں اور یادداشت سے امتحانات میں لکھ آؤں گا۔یہ سوچ طلبہ کے لیے بہت مضر ہے کیوں کہ اس سے شاہین نہیں بلکہ طوطے پیدا ہوتے ہیں،اللہ تعالی سمجھ عطا فرمائے۔

زبان وتفہیم کے بعد اگلا ضروری پہلو ہے تدریج،کسی بھی طرح کا ادارہ ہو،عصری ہو یا دینی،تعلیم میں تدریج کے کلیدی کردار کی نفی کوئی نہیں کر سکتا۔ہر محکمہ تعلیم میں طلبہ کے کیے حسب عمر درجہ بندی موجود ہے۔تدریج کی اہمیت اس مثال سے خوب واشگاف ہو جائے گی،اگر آپ چاہتے ہیں کہ فلاں ابن فلاں ایک اچھا ادیب بنے،تو پہلے آپ اسے زبان کے ابجد کا علم دیں گے،پھر جب کچھ بڑا ہوگا اسے حروف سے الفاظ،ان سے جملے،ان سے سطور،ان سے مضامین اور مضامین سے کتاب اس طرح بہ تدریج لے جائیں گے،نہ یوں کہ جیسے ہی اسے ابجد آ جائے اسے فوراً۔کتاب لکھنے پر آمادہ کریں۔یہ اس لیے بھی ہے کہ جیسا کہ ہم تمہیدی گفتگو میں ذکر کر چکے کہ ہمارا دماغ یک بارگی دقیق مسائل کو سمجھنے سے قاصر ہے،پہلے ہمیں سہل اور چھوٹے مسلم اصول کو حاصل کرنا ہوگا پھر پیچیدہ اصولوں کو پھر ہم ان کی ترکیب وترتیب سے دقیق مسائل کے افہام وتفہیم میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

تعلیم کی درجہ بندی طالب علم کی دماغی ارتقا کو مدنظر رکھ کر ترتیب دی جائے،جس سے تعلیمی مراحل اس کے لیے آسان اور دلچسپ ہوں،کئی ادارے اس اصول کو فراموش کر دیتے ہیں جس کا خمیازہ ان کے طلبہ کو اٹھانا پڑتا ہے،پڑھائی سے دل اکتا جاتا ہے اور اکتاہٹ کے سمندر میں فکر ونظر کی توانائیاں غرقاب ہو جاتی ہیں۔

پھر دور حاضر میں صرف کتابی تعلیم ہی نہیں بلکہ عملی تعلیم کا بھی اہتمام ضروری ہے،جیسے کئی علوم وفنون میں مشق درکار ہوتی ہے ویسے ہی بہت سے موضوعات جن کا تعلق عملی دنیا سے ہے ان کے لیے عملی (پریکٹیکل) تعلیم ضروری ہے۔عملی موضوعات میں صرف کتابی تعلیم حاصل کرنے اور پریکٹیکل مشق سے صرف نظر کرنے کا ہی خمیازہ ہے کہ ہمارے وقت میں کئی ایسے سند یافتہ افراد ہیں جنہیں ملازمت نصیب نہیں ہوتی،وجہ اس کی یہی ہے کہ انہیں تصورات کا علم تو ہے مگر انہیں عملی جامہ پہنانے کے ہنر سے عاری ہیں۔

عمدہ تعلیم کا ایک لازمی عنصر تربیت بھی ہے،اخلاقی اقدار کو سنوارنا،مکارم اخلاق کی تعلیم دینا اور ایک اچھا انسان،ایک پابند قوانین شہری، اور معاشرے کا ایک عمدہ فرد تیار کرنا۔استاد و معلم کی ذمہ داری یہ بھی بنتی ہے کہ وہ اپنے ماتحت مستقبل کے طلوع ہوتے شموس (مفرد: شمس) کی خوب سے خوب تر تربیت کا اہتمام کرے۔ہمارے معاشرے سے تعلیم کا یہ ضروری عنصر بہت تیزی سے مفقود ہوتا جا رہا ہے،جس کی چند مثالیں ہم نے گزشتہ صفحات میں ذکر کیں۔انسانی ضروریات میں سے اخلاقی تعمیر کو ایک نمایاں حیثیت حاصل ہے،کیوں کہ اس کا تعلق عائلی اور اجتماعی زندگی سے ہے،اور اس کے اثرات صرف کسی ایک فرد پر نہیں بلکہ پورے معاشرے پر مرتب ہوتے ہیں۔

یہ تمام عناصر واجزا جو میں نے ذکر کیے،تعلیم کو بہترین وعمدہ بنانے کے لیے ضروری ہیں کہ ان کی پاس داری کر کے تعلیم کے اصل اغراض ومقاصد کی تکمیل میں کسی حد تک کامیاب ہو سکتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لئے مکاتب کی ضرورت

محمد ہاشم القاسمی، مغربی بنگال

جب ہندوستان میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے زمامِ اقتدار چھن گیا اور انگریز قوم یہاں کے ہر سیاہ اور سفید کے مالک بن گئی تو اس وقت اگر انہیں مستقبل میں اپنے اور اپنے آمرانہ حکمرانی کے بیچ کوئی چیز سب سے بڑی رکاوٹ اور حائل نظر آرہی تھی تو وہ یہاں علماء حق، غیور باہمت اور زندہ دل مسلمانوں کی تھی، چونکہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ مسلمانوں کو ان کی اس خست و ذلت سے نکال کر انہیں رفعت و بلندی کے اوج ثریا پر کوئی چیز پہنچا سکتی ہے تو وہ ہے اس کا ایمان وایقان اور ان کی مذہبی حمیت۔
لہٰذا انگریزوں نے اس کے لئے حکومت کے ماتحت چلنے والے تمام تعلیمی اداروں کے نصاب ونظام میں حذف واضافہ شروع کر دیا، اس نصاب تعلیم کی تبدیلی اور ترمیم کا راست اثر مسلمانوں کے ایمان و عقیدے پر ہونا شروع ہوگیا، بہت سے مسلمان اپنی تہذیبی خصوصیات سے دستبردار ہوکر بحیثیت قوم مسلم اپنا وجود کھو رہے تھے، اس نازک وقت میں علماء کرام نے اپنی علمی بصیرت اور ایمانی فراست سے معصوم بچوں کے ذہن ودماغ کو کفر اور شرک کی گندگیوں سے محفوظ و مامون رکھنے کے لئے مدارس ومکاتب کا جال بچھانا شروع کر دیا، آج ہم فخر کے ساتھ کہ سکتے ہیں کہ ان علماء کرام کی الہامی تحریک ہی کے ذریعے ہندوستان میں ایمان اور اسلام کا بچاؤ ممکن ہو سکا، آج اگر ایمان اور مسلمان اپنی تمام خصوصیات اور امتیازات کے ساتھ نظر آرہا ہے، اسی طرح مساجد کے گنبد و مینار، مدارس اسلامیہ کی چہار دیواری کی آن بان شان سب کچھ انہیں علماء کرام کی سوچ وفکر اور ان مکاتب ومدارس کی رہینِ منت ہے۔ شہر شہر، قریہ قریہ، گلی گلی، چھوٹی بڑی، کچی پکی، جو مساجد آباد نظر آرہی ہیں، مختلف تحریکوں کی شکل میں مسلمانوں کی اخلاقی و اقتصادی، اور معاشرتی اصلاح کا جو جال ہر سمت بچھا ہوا ہے، یا کسی بھی جگہ دین کا شعلہ یا اس اس کی تھوڑی سی رمق اور چنگاری سلگتی ہوئی دکھائی دے رہی ہے وہ انہیں مکاتب ومدارس کا فیض اثر ہے، آپ یقین کیجئے اگر ان مکاتب ومدارس کا وجود نہیں ہوتا تو آج ہم تو موجود ہوتے، لیکن بحیثیت مسلمان نہیں۔
مکاتب دینیہ بے شمار اہمیت کے حامل ہیں، یہیں سے تعلیم کی بنیاد پڑتی ہے، جس قوم نے اس کی اہمیت کو سمجھا اور اس نے اپنے مکتب کو ہر اعتبار سے مزین کیا، عصری تقاضوں کے مطابق نصاب وضع کر کے اسے جدید ٹکنالوجی سے مسلح کیا، بچوں کی صالح تربیت کے لئے باصلاحیت معلمین ومعلمات کی خدمات حاصل کیں تو پھر کیا تھا کچھ ہی دنوں کی محنت کے بعد ان مکاتب میں علم کا سیلاب آگیا۔
ہندوستان میں جہاں مکاتب عقیدہ وعمل کی ترویج واشاعت کے اہم ذرائع ہیں، وہیں وہ دین کی حفاظت کے لئے مضبوط قلعے بھی ہیں، جب تک مکاتب کی نگرانی قابل ناظم اور بہترین معلم تعلیم کا کام کرتے تھے تب تک یہ سونا اگلتے تھے، اور نہایت قابل بچے ہوا کرتے تھے، مکتب کے بچے مدرسوں میں براہ راست یا تو درجہ حفظ میں داخلہ لیتے تھے یا پھر درجہ عربی فارسی میں، چونکہ مکتب میں ابتدائی تعلیم مثلاً ناظرہ قرآن صحت کے ساتھ پڑھادی جاتی تھی، اردو فر فر پڑھ لیتے اور صحیح املا لکھنے کی استعداد پیدا ہوجاتی تھی۔
حال ہی میں نئی تعلیمی پالیسی بل جو پاس کیا گیا ہے وہ بھی مسلمانوں سے دشمنی اور عداوت ہی کا ایک واضح مظہر ہے، اگرچہ دنیوی اعتبار سے اس کے فوائد ونتائج سے انکار نہیں، لیکن دینی اعتبار سے وہ نئی نسل کے حق میں کسی طرح مفید نہیں، اس کی بنیاد سراسر عقیدہ توحید کے خلاف اور تعلیمات اسلامی کے بالکل برعکس ہے اور اس کا بس واحد علاج ''دینیات منظم مکتب'' کا قیام ہے، جو بقائے اسلام اور تحفظ دین و ایمان کا ذریعہ ہے جو ایک دینی گہوارہ اور بنیادی درسگاہ ہے۔
یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہماری نئی نسل ہی مستقبل کے رجالِ کار اور ملت کے معمار ہوتے ہیں، اس لئے ان کی ذہنی واخلاقی نشو ونما اسلامی تعلیمات پر ہونا ضروری ہے۔ اور ہمارے لئے ایسے ماحول اور فضا کا فراہم کرنا اُن کے لئے ضروری ہے جس میں ہمارے بچے، بچیوں کے ذہن ودماغ میں خالص اسلامی تہذیب کا چھاپ ہو اور اجنبی ثقافت کے تمام ایمان سوز اثرات سے پاک ہو۔
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے دینی تعلیمی کونسل کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا ''دو باتوں میں سے کسی ایک کے لئے تیار ہوجائیں، یا تو اپنے بچوں کے دینی اور تہذیبی ارتداد پر راضی ہوجائیں یا پھر اس راستہ میں ہمیں جو محنت کرنی ہے اس کے لئے کسی بھی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کریں۔ (مکاتب کی اہمیت اکابر کی نظر میں) مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی (علی میاں ندوی) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''بالکل صاف کہتا ہوں اپنے بچوں کے عید کپڑے پہنانے سے ہزار بار زیادہ، اور بچہ بیمار ہوجائے تو اس کا بہتر علاج کرنے سے سیکڑوں بار زیادہ، اور اپنے بچوں کو نوکری کے قابل بنانے سے لاکھ بار زیادہ یہ ضروری ہے کہ اس کو سچا اور پکا مسلمان بنایا جائے (مکاتب کی اہمیت اکابر کی نظر میں) ترجمان اہلسنت حضرت مولانا عبدالقوی نے ایک مرتبہ نئی تعلیمی پالیسی بل اور مکاتب کی اہمیت کے حوالہ سے فرمایا ''موجودہ دور میں مدارس کی تعلیم فرض کفایہ ہے، اور مکاتب کی تعلیم فرضِ عین ہے''
ایک ایسی عمر جب دینی تعلیم بچوں کے دل ودماغ میں نقش اور راسخ ہونی چاہیے، تاکہ زندگی آخری سانس تک اعمال کی پاکیزگی اور عقیدے کی پختگی ان کا سرمایہ بن جائے، اس وقت یہ بچے اسکول کی کتابوں اور ہوم ورک میں اس قدر مشغول ہوجاتے ہیں کہ دینی تعلیم کے لئے ان کے پاس وقت ہی نہیں بچتا اور والدین بھی بچوں کے اس بوجھ کو دیکھ کر دل میں یہ کہتے ہیں ''چلو بعد میں دینی تعلیم وتربیت دلالیں گے'' یاد رکھیں صحیح وقت میں اگر مناسب دینی تعلیم وتربیت نہ ہو پائے تو اس کی بھرپائی بعد میں ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہو جاتی ہے، یہی وہ بچے ہوتے ہیں جو بڑے ہوکر بڑی بڑی ڈگریاں حاصل تو کر لیتے ہیں لیکن دین سے بے زار ہوتے ہیں اس لئے نہ تو ان سے والدین اور نہ ہی خاندان کو خاطر خواہ فائدہ پہنچتا ہے اور نہ ہی قوم وملت کو۔
اس لئے ہر مسلمان کو اپنے بچوں کو دنیاوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم دلانی ہوگی، جب آپ کا بچہ دینی اور دنیاوی تعلیم سے آراستہ ہوگا تو وہ ساری انسانیت کو فائدہ پہنچائیگا، وہ عبادت گزار د کامل ایمان والا، خدمت گزار ڈاکٹر، حق کا ساتھ دینے والا وکیل، ایماندار تاجر، امانت دار ملازم بنے گا، اسی طرح مالدار غریبوں کی مدد کرنے والا، غریب صبر کرنے والا، اور اللہ سے لینے والا ہوگا، ماں باپ، بچے کی تربیت کرنے والے اور بچے ماں باپ کا خدمت گزار بنیں گے، اور وہ ایک اچھا انسان بن کر حلال وحرام میں فرق سمجھے گا اور اپنے ماں، باپ، خاندان، اور ملک اور عالم کے ہر مذہب کے لوگوں کا فائدہ پہنچانے والا بنے گا۔
اس سے معلوم ہوا کہ مکاتب مسلمانوں کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے اب ہمارا اولین فریضہ ہے کہ مکاتب دینیہ کو اس کی حیثیت کے مطابق پیش کیا جائے۔

دنیا بھر میں ۵۰ کروڑ سے زیادہ افراد بے روزگار

عارف عزیز (بھوپال)

اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن (آئی ایل او) کی طرف سے مرتب کردہ رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں اس وقت ۴۷۰ ملین افراد بے روزگار ہیں یا جز وقتی ملازمت کرتے ہیں، یہ تعداد عالمی لیبر فورس کا ۱۳ فیصد بنتی ہے، رپورٹ کے مطابق ۲۰۱۰ء کی دہائی میں عالمی سطح پر بے روزگاری کی شرح نسبتاً مستحکم تھی، لیکن رپورٹ میں اس بات کا اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے کہ معیشت میں سست روی کے باعث بیروزگاری میں اضافہ ہوسکتا ہے، جس کی وجہ سے رواں سال بیروزگار افراد کی تعداد ۱۸ کروڑ ۸۰ لاکھ سے بڑھ کر ۱۹ کروڑ ۵ لاکھ ہونے کا خدشہ ہے، آئی ایل او کے سربراہ گائے رائیڈر نے جنیوا میں رپورٹ جاری کرتے ہوئے کہا'' کام کرنے والے کروڑوں افراد کے لئے بہتر زندگی گزارنا مسلسل مشکل ہوتا جارہا ہے، عالمی سطح پر روزگار اور سوشل آؤٹ لک سے متعلق اس سالانہ رپورٹ میں صرف بے روزگاری پر ہی نہیں بلکہ جزوی ملازمتوں پر بھی توجہ دی گئی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ دنیا بھر میں ۲۸۵ ملین افراد ایسی ملازمتوں سے منسلک ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جتنا کام کرنا چاہتے ہیں انہیں اتنا کام نہیں ملتا یا انہوں نے کام کی تلاش چھوڑ دی ہے یا روزگار کی منڈی تک ان کی رسائی نہیں ہو پارہی ہے، رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں ہڑتالوں اور احتجاجی تحریکوں کی تعداد میں اضافہ نوٹ کیا گیا جس کی وجوہات میں یہ امر بھی شامل ہے کہ زیادہ تر بے روزگار افراد ان تحریکوں اور ہڑتالوں کا حصہ بنے۔ فرانس کے خبر رساں ادارے 'اے ایف پی' نے اقوام متحدہ کی ذیلی تنظیم انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن (آئی ایل او) کی رپورٹ کے حوالے سے بتایا کہ بے روزگاری کی شرح پانچ اعشاریہ چار فیصد تھی جس میں تبدیلی کی توقع نہیں کی جارہی تھی، لیکن رواں برس کے اختتام تک بے روزگاری کی مجموعی تعداد میں مزید اضافے کا امکان ہے، رپورٹ میں معاشی سست روی اور آبادی میں اضافے کو بے روزگاری میں اضافے کی اہم وجہ قرار دیا گیا ہے، رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ۱۵ سے ۲۴ سال کی عمر کے ۲۶ کروڑ ۷۰ لاکھ نوجوان روزگار، تعلیم یا تربیت حاصل نہیں کر پارہے ہیں، آئی ایل او نے اپنی سالانہ ورلڈ ایمپلائمنٹ اینڈ سوشل آؤٹ لک رپورٹ میں کہا کہ رجسٹرڈ بے روزگار افراد کی تعداد ۱۸ کروڑ ۸۰ لاکھ تھی جو پچھلے سال کے اختتام تک ۱۹ کروڑ ۵۰ لاکھ ہوگئی۔ آئی ایل او کے سربراہ گائے رائڈر کے مطابق عالمی سطح پر روزگار کی شرح میں گذشتہ دس برسوں کے دوران اضافہ نہیں ہوا جس سے لاکھوں محنت کش افراد کے لئے بہتر زندگی گزارنا مشکل تر ہوگیا ہے، گائے رائڈر کا کہنا ہے کہ زیادہ اور کم آمدنی والے ملازم پیشہ افراد کے درمیان فاصلہ انتہائی غیر مساوی ہے۔ زیادہ آمدنی والے ۲۰ فیصد افراد کو جو رقم کمانے میں ایک سال لگتا ہے، کم آمدنی والوں کو یہ رقم کمانے میں ۱۱ سال لگ جاتے ہیں، یہ صورت حال اندازے سے بھی کہیں زیادہ خراب ہے، آئی ایل او کے سربراہ نے متنبہ کیا ہے کہ کام سے متعلق عدم مساوات اور مستقل مزاجی کو برقرار رکھنا بیشتر افراد کو مناسب روزگار کی تلاش سے روک رہا ہے جو انتہائی تشویش ناک ہے۔ ان کے بقول'' مناسب روزگار تک رسائی نہ ہونا پوری دنیا میں بڑھتی ہوئی احتجاجی تحریکوں اور بدامنی کو ہوا دے رہا ہے۔ آئی ایل او کے سوشل ان ریسٹ انڈیکس یعنی سماجی بدامنی انڈیکس کے مطابق دنیا بھر میں ہونے والے مظاہروں اور ہڑتالوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔ آئی ایل او کی رپورٹ میں اس امر پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ روزگار افراد کی اکثریت بھی کم اجرت پر ملازمتیں کرنے پر مجبور ہے۔ انہیں بنیادی تحفظ اور ضروریات تک حاصل نہیں۔ کوڑ سے زائد افراد ایسے ہیں جنہیں غیر معیاری حالات میں ملازمتیں کرنا پڑ رہی تھی۔

Scanned with CamScanner

جمہوریت کا تصور

مولانا محمد نفیس خاں ندوی

جمہوریت یعنی Democracy کالفظ فرانسیسی زبان سے ماخوذ ہے، یہ لفظ اپنی اصل کے اعتبار سے یونانی ہے، جو یونانی لفظ Demokratie سے مشتق ہے، یہ لفظ Demos (عوام) اور Krato (حکمرانی) سے مل کر بنا ہے، انگریزی زبان میں یہ لفظ سولہویں صدی میں مستعمل ہوا۔

یورپ کی ''نشاۃ ثانیہ'' کے بعد بادشاہوں کے استحقاق حکومت کے مقدس دعووں کو چیلنج کیا گیا، بادشاہت کے خلاف عوامی بغاوت پیدا ہوئی، عوام نے کلیسا کی اتھارٹی کو بھی چیلنج کیا، پادریوں کے اثر ورسوخ پر کاری ضرب پڑی اور عوام کی حکمرانی کا اصول وضع کیا گیا جس کے تحت مذہب اور بادشاہوں کی تقدس مآبی سے سیاست کا رشتہ منقطع کر دیا گیا، عوام کو سیاسی قوت کا اصل منبع اور اپنی قسمت کا حقیقی معمار تسلیم کیا گیا، تمام اقتدار کی تشکیل اور اختیارات کے استعمال کا تاج ان کے سر پر سجا دیا گیا اور ہر نوع کی سیاسی جد وجہد کا اصل مقصد عوام کی فلاح وبہبود کو قرار دیا گیا۔ مغربی جمہوریت ایک ایسا طرز حکومت ہے جس میں عوام کو اقتدار کا حقیقی سر چشمہ تصور کیا جاتا ہے چنانچہ اقتدار صرف اس وقت درست ہوگا جب یہ عوامی قوت سے حاصل کیا گیا ہو اور اس کی بنیاد عوام کی مرضی پر رکھی گئی ہو، اس جمہوریت کا اصل محور ''آزادی'' ہے، اس کے تحت مذہبی آزادی، اظہار رائے کی آزادی، انجمن سازی کی آزادی، پریس اور ابلاغ کی آزادی وغیرہ شامل ہے۔

جمہوریت کا نظام مذہب اور سیاست کے درمیان مکمل علیحدگی پر قائم ہے، چنانچہ قانون اور انسانی حقوق کے پورے نظام میں یہی جذبہ پایا جاتا ہے، اس جمہوری نظام نے بعض تاریخی کامیابیاں بھی حاصل کیں، لیکن مضبوط اخلاقی اقدار نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ تر ناکامیاں ہی اس کے حصہ میں آئیں، چونکہ اس نظام میں اخلاقیات کا کوئی مقام نہیں اس لیے کسی بات کے صحیح یا غلط ہونے کا معیار عوام کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا، جنھوں نے اپنے اخلاقی اقدار میں اس طرح تبدیلی شروع کردی جس طرح اپنے لباس یا فیشن میں کرتے ہیں، چنانچہ اسی طرز عمل کے نتیجہ میں بڑی بڑی غیر اخلاقی سرگرمیاں اور اخلاقی برائیاں جرم کے دائرہ سے خارج ہوگئیں، اکثریت کی حکومت کے نظریے نے نہ صرف ذہنی اور اخلاقی بگاڑ، نسلی، لسانی اور طبقاتی کش مکش، اقتصادی چشمک اور استحصال کو فروغ دیا بلکہ ان انسانی خوبیوں کو بھی ختم کر دیا جنھوں نے انسانی معاشرہ کو مضبوط کر رکھا تھا، یہ اخلاقی بحران اور خانگی انتشار مغربی جمہوریت کا ثمر ہے۔

مغربی جمہوریت کی فلسفیانہ جڑیں عوام کے اقتدار اعلی کے نظریہ میں پوشیدہ ہیں، یہ جمہوریت ایک طرف تو دائمی مذہبی رہنمائی سے انکار کرتی ہے اور سیاسی حکمرانی میں اعلی اخلاقی اقدار کو بھی تسلیم نہیں کرتی ہے اور دوسری طرف یہ اصرار بھی کرتی ہے کہ عوام اور عوام کی مرضی ورائے ہی کو ہر طرح کے اقتدار اور اختیارات کا منبع تسلیم کیا جائے، جمہوریت کے اصول کے مطابق ہر فرد و ہر مذہب کو پوری آزادی ہے اور دوسروں کی نظر میں بھی اس کو پوری عظمت، لیکن آزادی رائے کے اصول کے مطابق کسی بھی فرد یا مذہب کے ناموس کو نشانہ بنایا جاسکتا ہے، گویا کہ جمہوریت ایک ایسا مبہم اور غیر واضح نظام ہے جس کے دامن میں نہ جانے کتنے چھید ہیں۔

روس کے اشتراکی نظام کے زوال کے بعد جمہوریت کو خوب بڑھاوا ملا اور اس جمہوریت کا سب سے بڑا فائدہ امریکہ کو حاصل ہوا، چنانچہ وہ مختلف ممالک میں قیام جمہوریت کے عنوان سے دخل اندازی کرتا ہے اور جمہوریت کے پس پردہ صہیونیت کو مضبوط کرتا ہے۔

مغربی جمہوریت نے خوبی و معیار کی جگہ محض تعداد اور افراد کے بدلتے ہوئے رجحانات کو دی ہے، عدل وسچائی کے مستقل معیار کے بجائے ہاتھوں کی گنتی کو شعار بنایا، بعض ممالک میں ایک جماعتی نظام متعارف کرایا گیا جس کے نتیجہ میں جمہوریت کے نام پر ایک پارٹی کی آمریت وجود میں آئی، جمہوریت کے بعض بنیادی اصولوں میں اس قدر ملاوٹ کردی گئی کہ اس کا تصور ہی دھندلا ہوگیا، جمہوری عمل اپنے بنیادی نظریات کی پٹری سے اتر گیا اور ایک مذاق بن کر رہ گیا۔ خود امریکہ میں جو کہ جمہوری اقدار کا محافظ کہلاتا ہے، یہودیوں کے خلاف اظہار رائے پر مکمل پابندی عائد ہے، اسی طرح ہٹلر سے منسوب Holocaust پر بھی کوئی بحث نہیں ہوسکتی، اس اعتبار سے سچ تو یہ ہے کہ جمہوریت ایک مصنوعی چہرہ ہے جس کے پیچھے رہ کر مخصوص فرقہ اور خاص ذہنیت رکھنے والی جماعت حکومت کر رہی ہے۔

مغربی جمہوریت کو قبول کرنے والا سب سے بڑا ملک ہندوستان ہے، یہاں بھی جمہوریت کا وہی نظام جاری ہے جس میں خوبیاں کم اور خامیاں زیادہ ہیں، کہنے کو تو جمہوری حکومت قائم ہے اور عوام کی اکثریت کی رائے کو ترجیح حاصل ہے لیکن اس کا حقیقی چہرہ اس وقت سامنے آتا ہے جب معاملہ حکومت کی تشکیل کا ہوتا ہے، عمومی الیکشن کرائے جاتے ہیں جس میں بمشکل 50 سے 60 فی صد عوام حصہ لیتے ہیں اور ان کے ووٹ درجنوں ملکی وذیلی پارٹیوں میں تقسیم ہوجاتے ہیں اور پھر ایسی حکومت تشکیل پاتی ہے جسے 10,12 فی صد سے زیادہ ووٹ حاصل نہیں ہوتے ہیں، گویا تقریباً 90 فی صد عوام کی مرضی کے خلاف حکومت قائم ہوتی ہے اور اسے ''جمہوری حکومت'' کہا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مغربی جمہوریت شخصی و جماعتی حکومت کی مہذب شکل ہے، اس کا اپنا مخصوص مزاج ہے، اس جمہوریت کو اپنا کر دنیا کے کسی بھی خطہ میں مستحکم سیاسی نظام ممکن نہیں، دنیا نے اب تک نہ جانے کتنے نظام اپنائے ہیں لیکن ہر بار اس کو منہ کی کھانی پڑی ہے، اب صرف ایک ہی نظام باقی بچا ہے جس کو اسلام نے 'شورائی نظام' کے عنوان سے پیش کیا ہے، دنیا نے اس کے ثمرات محسوس بھی کیے ہیں، تاریخ میں اس کی مثالیں محفوظ ہیں اور آج نہیں تو کل دنیا اس نظام کو قبول کرنے پر مجبور ہوگی، لیکن تب تک نہ جانے کتنی صلاحیتیں اور قیمتی جانیں دوسرے نظاموں کے پیچھے سر پھوڑ چکی ہوں گی!!

اعلان مفقود الخبری

معاملہ نمبر ۷؍۳۷؍۱۴۴۳ھ

(متدائرہ دار القضاء امارت شرعیہ لوہردگا)

اسمینہ خاتون بنت رحمت مرحوم مقام اُکنا نزد مسجد ڈاکخانہ کیرو ضلع لوہردگا۔ فریق اول

بنام

افسر انصاری عرف افسا د انصاری ولد صغیر انصاری مقام کرسے ڈاکخانہ کرسے ضلع لوہردگا۔ فریق دوم

اطلاع بنام فریق دوم

معاملہ ہذا میں فریق اول نے آپ فریق دوم کے خلاف دار القضاء امارت شرعیہ لوہردگا میں غائب ولا پتہ ہونے، نان ونفقہ نہ دینے اور جملہ حقوق زوجیت ادا نہ کرنے کی بنیاد پر نکاح فسخ کئے جانے کا دعویٰ دائر کیا ہے، اس اعلان کے ذریعہ آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں فوراً اپنی موجودگی کی اطلاع دیں اور آئندہ تاریخ سماعت ۱۹؍رجب المرجب ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۱؍فروری ۲۰۲۲ء روز سوموار بوقت ۹؍بجے دن آپ خود مع گواہان وثبوت مرکزی دار القضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں حاضر ہوکر رفع الزام کریں۔ واضح رہے کہ تاریخ مذکور پر حاضر نہ ہونے یا کوئی پیروی نہ کرنے کی صورت میں معاملہ ہذا کا تصفیہ کیا جاسکتا ہے۔ فقط۔ قاضی شریعت۔

معاملہ نمبر ۴۸؍۱۶۶۴؍۱۴۴۳ھ

(متدائرہ دار القضاء امارت شرعیہ بتیا)

نجمہ خاتون بنت شیخ رئیس عرف موٹر میاں مقام بھوانی پور وارڈ نمبر ۲، ڈاکخانہ کرسی برداں، ضلع مغربی چمپارن۔ فریق اول

بنام

اشفاق الحق ولد عبد الحفیظ مقام کوڑا بیلداری وارڈ نمبر ۲، ڈاکخانہ برون پسرائن ضلع مغربی چمپارن۔ فریق دوم

اطلاع بنام فریق دوم

معاملہ ہذا میں فریق اول نے آپ فریق دوم کے خلاف دار القضاء امارت شرعیہ بتیا میں عرصہ چار سال سے غائب ولا پتہ ہونے، نان ونفقہ نہ دینے اور جملہ حقوق زوجیت ادا نہ کرنے کی بنیاد پر نکاح فسخ کئے جانے کا دعویٰ دائر کیا ہے، اس اعلان کے ذریعہ آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں فوراً اپنی موجودگی کی اطلاع دیں اور آئندہ تاریخ سماعت ۲۵؍رجب ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۷؍فروری ۲۰۲۲ء روز اتوار بوقت ۹؍بجے دن آپ خود مع گواہان وثبوت مرکزی دار القضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں حاضر ہوکر رفع الزام کریں۔ واضح رہے کہ تاریخ مذکور پر حاضر نہ ہونے یا کوئی پیروی نہ کرنے کی صورت میں معاملہ ہذا کا تصفیہ کیا جاسکتا ہے۔ فقط۔ قاضی شریعت۔

معاملہ نمبر ۱۶؍۴۹۸؍۱۴۴۳ھ

(متدائرہ دار القضاء امارت شرعیہ بالا ساتھ سیتامڑھی)

ممتاز بیگم شائستہ بنت محمد اظہار احمد مقام بالا ساتھ وارڈ نمبر ۸، ڈاکخانہ بالا ساتھ ضلع سیتامڑھی۔ فریق اول

بنام

ظفر وسیم رضوی ولد محی الدین اختر مرحوم مقام پوکھریرا وارڈ نمبر ۶، ڈاکخانہ پوکھریرا ضلع سیتامڑھی۔ فریق دوم

اطلاع بنام فریق دوم

معاملہ ہذا میں فریق اول نے آپ فریق دوم کے خلاف دار القضاء امارت شرعیہ بالا ساتھ سیتامڑھی میں عرصہ گیارہ سال سے غائب ولا پتہ ہونے، نان ونفقہ نہ دینے اور جملہ حقوق زوجیت ادا نہ کرنے کی بنیاد پر نکاح فسخ کئے جانے کا دعویٰ دائر کیا ہے، اس اعلان کے ذریعہ آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں فوراً اپنی موجودگی کی اطلاع دیں اور آئندہ تاریخ سماعت ۲۵؍رجب ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۷؍فروری ۲۰۲۲ء روز اتوار بوقت ۹؍بجے دن آپ خود مع گواہان وثبوت مرکزی دار القضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں حاضر ہوکر رفع الزام کریں۔ واضح رہے کہ تاریخ مذکور پر حاضر نہ ہونے یا کوئی پیروی نہ کرنے کی صورت میں معاملہ ہذا کا تصفیہ کیا جاسکتا ہے۔ فقط۔ قاضی شریعت۔

معاملہ نمبر ۱۸؍۵۰۰؍۱۴۴۳ھ

(متدائرہ دار القضاء امارت شرعیہ بالا ساتھ سیتامڑھی)

تبسم جہاں بنت محمد اخلاق مقام مول وارڈ نمبر ۳، ڈاکخانہ مرول ضلع سیتامڑھی۔ فریق اول

بنام

محمد عادل حسین ولد برکت علی مقام سسولی وارڈ نمبر ۷ ڈاکخانہ سسولی ضلع مظفرپور۔ فریق دوم

اطلاع بنام فریق دوم

معاملہ ہذا میں فریق اول نے آپ فریق دوم کے خلاف دار القضاء امارت شرعیہ بالا ساتھ سیتامڑھی میں عرصہ تین سال سے غائب ولا پتہ ہونے، نان ونفقہ نہ دینے اور جملہ حقوق زوجیت ادا نہ کرنے کی بنیاد پر نکاح فسخ کئے جانے کا دعویٰ دائر کیا ہے، اس اعلان کے ذریعہ آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں فوراً اپنی موجودگی کی اطلاع دیں اور آئندہ تاریخ سماعت ۲۵؍رجب ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۷؍فروری ۲۰۲۲ء روز اتوار بوقت ۹؍بجے دن آپ خود مع گواہان وثبوت مرکزی دار القضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں حاضر ہوکر رفع الزام کریں۔ واضح رہے کہ تاریخ مذکور پر حاضر نہ ہونے یا کوئی پیروی نہ کرنے کی صورت میں معاملہ ہذا کا تصفیہ کیا جاسکتا ہے۔ فقط۔ قاضی شریعت۔

Scanned with CamScanner

طب وصحت

جلد کی بیماریاں احتیاط اور علاج

ڈاکٹر آصف محمود جاہ

جلد کی بیماریوں کے لیے بہت سی دوائیں استعمال ہوتی ہیں۔ان میں سے کچھ دوائیں کریم یا لوشن کی صورت میں ملتی ہیں اور اکثر اینٹی بائیوٹکس یا سٹیرائیڈز پر مشتمل ہوتی ہیں۔ یہ لگانے کی دوائیں ہیں۔لیکن چھوٹے یا بڑے بچوں میں ان کو احتیاط سے استعمال کرنا چاہیے کیونکہ یہ جلد میں جذب ہوکر جسم کے دوسرے حصوں پر اثرات ڈال سکتی ہیں۔دوائیں چھوٹے اور بڑے بچوں میں زیادہ عرصہ استعمال کرنے سے یہ جلد میں جذب ہوکر جسم کے دوسرے حصوں پر مضر اثرات ڈال سکتی ہیں۔ان سے الرجی یا زود حساسیت بھی پیدا ہوسکتی ہے اس لئے یہ دوائیں حاملہ عورتوں اور نوزائیدہ اور چھوٹے بچوں کو احتیاط سے استعمال کرنا ضروری ہیں۔جیسا کہ دوا لگانے سے پہلے متاثرہ حصے کو گرم پانی سے دھولیا جائے اور خشک کرنے کے بعد کریم کا لیپ کیا جائے۔دوا مرض کی صحیح تشخیص ہونے کے بعد استعمال کی جائے۔اگر ڈاکٹر نے کوئی لوشن تجویز کیا ہے تو پہلے جوؤں کے خاتمہ کے لیے سر کو اچھی طرح نیم گرم پانی سے دھوکر خشک کرنے کے بعد پورے سر پر لوشن لگایا جائے۔خارش کے علاج کے لیے لوشن گردن سے نیچے پورے جسم پر لگایا جائے اس کے علاوہ جو لوگ مریض کے ساتھ رہ رہے ہوں وہ بھی تجویز کردہ لوشن استعمال کریں۔

انسانی جلد میں بے شمار دفاعی آلات موجود ہوتے ہیں جو جراثیم یا زخم کی شکل میں حملہ آور ہونے والی مختلف بیرونی آفتوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔جلد کی بیماریاں یا تو کسی خاص قسم کے جراثیم کی وجہ سے ہوتی ہیں یا پھر کسی زخم کی وجہ سے مخصوص جراثیم کی وجہ سے ہونے والی بیماری کی تشخیص کے بعد مخصوص کھانے یا لگانے کی دوا سے علاج کیا جاتا ہے لیکن تشخیص صحیح ہونا ضروری ہے۔

خارش کا آسان اور متبادل علاج

خارش، سب سے زیادہ تنگ کرنے والی جلدی تکالیف میں سے ایک ہے۔اس کی تشخیص کے بعد فوری علاج ضروری ہے۔زیادہ پرانی خارش کی صورت میں مندرجہ ذیل گھریلو نسخوں پر بھی عمل کیا جاسکتا ہے۔جسم کے خارش والے حصے پر ہمیشہ کوئی نہ کوئی چیز مثلاً تیل، ویسلین، پٹرولیم جیلی وغیرہ لگا کر رکھیں۔صبح، دوپہر، شام السی کا تیل لگائیں۔رات کو سونے سے پہلے تارامیرا کا تیل اور ویسلین ملاکر لگائیں۔غذا میں نمک اور مرچ کا استعمال کم کریں اور مرغن غذاؤں سے پرہیز کریں۔خالص کاٹن سے بنے ہوئے لباس سے جلدی حساسیت ختم ہوجاتی ہے۔

کیل مہاسوں کی دوائیں

کیل مہاسوں کی صورت میں چہرے پر ناخوشگوار اور بھدے داغ دھبے ہر کسی کے لیے عموماً اور نوجوان لڑکے لڑکیوں کے لیے خصوصاً پریشانی اور ندامت کا باعث بنتے ہیں۔کیونکہ جاذب نظر آنا ہر نوجوان کی خواہش ہوتی ہے۔جوانی کے آغاز میں جسم پر بعض ایسی تبدیلیاں ہوتی ہیں۔جن کا پورے جسم پر اثر ہوتا ہے۔اس دوران کچھ غددوں سے زیادہ رطوبت خارج ہونے لگتی ہے۔جس سے چہرے پر کیل اور مہاسے ہونے لگتے ہیں جو کچھ عرصے کے لیے شکل کو اچھا خاصا بگاڑ دیتے ہیں اور یوں نوجوان لڑکے لڑکیاں ایسی جادوئی کریموں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے ہیں جو دنوں میں ان کے چہرے کو تروتازہ اور صاف شفاف کردیں لیکن اصل میں ایسا ہونا ممکن نہیں۔ایکنی جسم میں ہارمونوں کے ردعمل کی وجہ سے ہوتی ہے۔جوانی کے بعد چند سالوں تک ہارمونوں میں توازن آجاتا ہے اور اس کے ساتھ ایکنی اور اس طرح کی دوسری تکالیف خود بخود دور ہوجاتی ہیں۔اس لیے ایکنی کی وجہ سے زیادہ پریشان ہونے کی بالکل ضرورت نہیں۔ڈاکٹر کے مشورے سے کوئی شیمپو یا صابن استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

وجوہات: گوشت، انڈا، تلی ہوئی اشیا شراب، وغیرہ کا زیادہ استعمال ایک دوسرے کی اشیاء کا استعمال زیادہ گرمی اور تیز دھوپ میں پھرنا۔لڑکیوں میں ایام کا عارضہ کیل مہاسوں کی بڑی وجوہات ہیں۔

آسان اور متبادل علاج: ایکنی کے علاج کے لیے خود سے نام نہاد کریمیں اور رنگ گورا کرنے والی کریمیں بالکل استعمال نہ کریں۔بعض اوقات ایسی کریمیں استعمال کرنے سے چہرے پر بال اگ آتے ہیں جو خاص طور پر نوجوان لڑکیوں کے لیے بہت تکلیف دہ ثابت ہوتے ہیں۔اس کے علاوہ مندرجہ ذیل آسان تجاویز پر عمل کریں۔

☆سردیوں میں کچھ دیر کے لیے دھوپ میں ضرور بیٹھیں۔اس سے وٹامن ڈی ملتا ہے جو ایکنی کے کیل مہاسوں کو کم کرتا ہے۔

☆موسمی اور تازہ پھلوں کا زیادہ استعمال کریں۔سبزیوں میں کدو، پالک، مولی، گاجر، شلغم، توریاں استعمال کریں۔ان سبزیوں میں وٹامن اے شامل ہوتا ہے۔

☆ چکنائی والی اور زیادہ کھٹی چیزوں کا استعمال نہ کریں۔

☆رات کو سوتے وقت چہرے کو لیموں کے رس میں شہد ملاکر صاف کریں۔

☆ مرغن اور مصالحہ دار اشیاء سے مکمل پرہیز کریں۔کیفین والی اشیاء مثلاً کافی، کولا ڈرنکس اور زیادہ چائے کے استعمال سے بچیں۔

☆سنگترے کے چھلکے کو پتھر کی سل پر پانی ملاکر پیس لیں۔چہرے کے متاثرہ حصوں پر پیسٹ لگائیں۔VulgarisAcne کا تیر بہدف نسخہ ہے۔

☆ کیل والے مہاسوں کی صورت میں یہ کامیاب ٹوٹکا استعمال کریں۔آدھا اونس گلیسرین، عرق گلاب دو اونس، ہائیڈروجن پراوکسائیڈ آدھا اونس باہم ملاکر چہرہ پر ملیں۔

☆مہاسوں Acne کی صورت میں گرم پانی کی بھاپ لینا بہت فائدہ مند ہوتا ہے۔بھاپ تھراپی کے بعد مہاسوں کو دبا کر کیل نکال دیں۔اس سے چہرے پر نشان نہیں پڑیں گے۔

چہرے پہ کیل مہاسے دور کرنے کے لیے مختلف قسم کی کھانے اور لگانے کی دوائیں استعمال کی جاتی ہیں۔روزانہ نت نئی کریمیں جادوئی اثر کے دعوؤں کے ساتھ مارکیٹ میں آتی ہیں۔نوجوانی میں چہرے پہ کیل مہاسے عموماً ایکنی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ان سے الرجی، خارش اور جلد کی زود حساسیت کی شکایت پیدا ہوسکتی ہے۔اس لئے احتیاط ضروری ہے۔سب سے پہلے یاد رکھئے، جلد پر الرجی ہونے کی صورت میں استعمال نہ کریں۔ایکنی کے لیے لوشن، شیمپو یا صابن استعمال کرتے وقت آنکھوں کو بچائیں۔

پھوڑے پھنسیوں کی دوائیں

گرمیوں کے موسم میں پھوڑے پھنسیاں زیادہ نکلنا شروع ہوجاتے ہیں۔زیادہ تر چھوٹے بچے اس کا شکار ہوتے ہیں۔گرمی دانوں سے لے کر بڑے بڑے پھوڑے نکلتے ہیں۔علاج کے لیے مختلف اینٹی بائیوٹک اور دوسری دوائیں استعمال کی جاتی ہیں۔ان میں کھانے اور لگانے کی دوائیں شامل ہوتی ہیں۔یہ ماہر ڈاکٹر کے مشورے سے ہی استعمال کرنا چاہئیں کیونکہ ان کے بھی مضر اثرات ہوسکتے ہیں۔جن میں متلی، قے، سردرد، پیٹ میں خرابی، حساسیت، جسم میں دانوں کا بننا، خارش بھی شامل ہیں۔اس ضمن میں احتیاط کرنا مریض کے مفاد میں ہوتا ہے۔مثال کے طور پر پھوڑے پھنسیوں والی لگانے والی دوا لگانے سے پہلے اچھی طرح صاف کرلیں۔کسی بھی دوا سے الرجی ہونے کی صورت میں استعمال نہ کریں۔

گرمی کے موسم میں پسینہ بہت زیادہ آتا ہے۔اس کے علاوہ بچے مٹی میں کھیلتے رہتے ہیں۔اس وجہ سے جسم پر گرمی دانوں کے ساتھ ساتھ چھوٹے بڑے پھوڑے پھنسیاں بھی نکل آتے ہیں۔جن کے ساتھ بخار بھی ہوجاتا ہے۔کچھ دنوں میں یہ پھوڑے پھنسیاں بڑے ہوجاتے ہیں اور پیپ سے بھر جاتے ہیں۔اس وجہ سے ان کا علاج ضروری ہوتا ہے۔ان کے علاج میں سب سے ضروری امر یہ ہے کہ گرمیوں میں بچوں کو روزانہ دودفعہ نہلایا جائے تاکہ پسینہ وغیرہ کی وجہ سے جو میل جسم پر جمع جاتی ہے وہ صاف ہوجائے۔اگر جسم کی مناسب صفائی رکھی جائے تو کسی قسم کے پھوڑے پھنسی ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔کوئی بھی دوا شروع کرنے سے پہلے ڈاکٹر سے مشورہ کرنا ضروری ہے۔گرمی کے دنوں میں بچوں کو "صافی" پلائی جاسکتی ہے۔

ہفتۂ رفتہ

راشد العزیزی ندوی

الیکشن کے دوران کئے گئے وعدوں پر سپریم کورٹ کا مرکز اور الیکشن کمیشن کو نوٹس

سپریم کورٹ نے سیاسی جماعتوں کے انتخابات کے دوران مبینہ طور پر ناقابل عمل وعدے کرنے کے معاملے میں مرکزی حکومت اور الیکشن کمیشن کو نوٹس جاری کرکے جواب طلب کیا۔چیف جسٹس این وی رمنا کی سربراہی والی بنچ نے بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) کے رہنما اور وکیل اشونی کمار اپادھیائے کی ایک مفاد عامہ کی عرضی پر سماعت کرتے ہوئے نوٹس جاری کیا۔چیف جسٹس نے درخواست گزار کے وکیل وکاس سنگھ سے پوچھا کہ درخواست میں صرف دو سیاسی جماعتوں کا ہی کیوں ذکر کیا گیا ہے۔چیف جسٹس نے صرف پنجاب کا ذکر کرنے پر بھی سوالات کئے۔

وکاس سنگھ نے بنچ کو بتایا کہ انتخابات کے وقت تمام سیاسی جماعتوں کی جانب سے پرکشش وعدے کئے جاتے ہیں۔انہوں نے کہا تھا کہ ناقابل عمل وعدوں کا بوجھ آخرکار عوام کو ہی اٹھانا پڑتا ہے۔انہوں نے اس عرضی کو اہم بتاتے ہوئے مرکز اور الیکشن کمیشن کو نوٹس جاری کرنے اور جلد سماعت کرنے کی گزارش کی جسے سپریم کورٹ نے قبول کرلیا۔چیف جسٹس کی سربراہی والی جسٹس اے ایس بوپنا اور جسٹس ہیما کوہلی کی بنچ نے مرکز اور الیکشن کمیشن کو نوٹس جاری کرنے کی ہدایت کے ساتھ ہی کہا کہ وہ اس معاملے کی سماعت چار ہفتے بعد کرے گی۔اشونی کمار اپادھیائے نے اسمبلی انتخابات سے پہلے عوامی پرکشش وعدوں کو منصفانہ انتخابات کی جڑوں کو ہلانے والا قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف ایک مفاد عامہ کی عرضی دائر کی تھی۔انہوں نے اپنی درخواست میں پنجاب اسمبلی کے انتخابات کے تناظر میں مختلف سیاسی جماعتوں کے پاپولسٹ وعدوں کا ذکر کرتے ہوئے دعویٰ کیا ہے کہ عوامی فنڈز سے مفت تحائف کے غیر معقول وعدوں نے ووٹروں کو غیر ضروری طور پر متاثر کیا ہے، لہٰذا سپریم کورٹ اس معاملے میں الیکشن کمیشن کو ہدایت دے کہ وہ متعلقہ جماعتوں کے انتخابی نشانات ضبط کرے اور ان کا رجسٹریشن منسوخ کردے۔اشونی کمار اپادھیائے نے اپنی درخواست میں سیاسی جماعتوں کے مبینہ غیر معقول وعدوں کو "رشوت" اور "غیر معقول" طور سے متاثر کرنے کے مترادف سمجھا ہے۔درخواست میں سیاسی جماعتوں کے ان مبینہ غیر معقول پرکشش عوامی وعدوں کو آئین کے آرٹیکل 14، 162، 266(3) اور 282 کی خلاف ورزی قرار دیا گیا ہے۔درخواست گزار نے پنجاب کے حوالے سے دعویٰ کیا ہے کہ عام آدمی پارٹی کے سیاسی وعدوں کو پورا کرنے کے لیے پنجاب حکومت کے خزانے سے ماہانہ 12000 کروڑ روپے کی ضرورت ہوگی، شرومنی اکالی دل کے اقتدار میں آنے پر اس کے وعدے پورا کرنے کے لئے ماہانہ 25000 کروڑ روپے اور کانگریس کے اقتدار میں آنے پر اس کے وعدوں کے لئے 30000 کروڑ روپے کی ضرورت ہوگی، جب کہ سچائی یہ ہے کہ ریاست میں جی ایس ٹی کی وصولی صرف 1400 کروڑ ہے۔درخواست گزار کا کہنا ہے کہ سچ یہ ہے کہ قرض ادا کرنے کے بعد پنجاب حکومت ملازمین اور افسران کی تنخواہ اور پنشن نہیں دے پارہی ہے تو پھر مفت تحفے دینے کا وعدہ کیسے پورا کرے گی۔درخواست گزار کا کہنا ہے کہ کڑوا سچ یہ ہے کہ پنجاب کا قرض ہر سال بڑھتا جارہا ہے۔ریاست کا بقایا قرض بڑھ کر 77,000 کروڑ روپے ہوگیا ہے۔موجودہ مالی سال میں ہی 30,000 کروڑ روپے کا قرض ہے۔قابل ذکر ہے کہ عرضی میں کسی دوسری ریاست اور بی جے پی یا دیگر سیاسی جماعتوں کے وعدوں کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔چیف جسٹس نے اس حوالے سے ذکر نہ کرنے پر درخواست گزار سے سوالات کیے تھے۔

سپریم کورٹ کے 13 جج اور 400 ملازمین کورونا پازیٹو

جسٹس این وی رمنا نے سماعت کے دوران عدالت میں کورونا کے مضر اثرات کے بارے میں جانکاری دیتے ہوئے بتایا کہ سپریم کورٹ کے 13 جج اور 400 عملے کووڈ-19 سے متاثر ہیں۔چیف جسٹس این۔وی رمنا نے خود سماعت کے دوران عدالت میں کورونا کے مضر اثرات کے بارے میں یہ اطلاعات شیئر کیں۔سماعت کے دوران ایک وکیل نے بنچ کے سامنے شکایت کی کہ ان کا کیس فوری سماعت کے لیے سپریم کورٹ رجسٹری میں درج نہیں ہے۔اس پر چیف جسٹس نے وکیل سے کہا کہ عدالت کے 13 جج کے ساتھ ساتھ رجسٹری کا 400 عملہ کووڈ-19 سے متاثر ہے، اگر آپ کو مسائل کا علم نہیں تو ہم کیا کرسکتے ہیں۔

Volume:62/72,Issue:05 R.N.I.N. Delhi Regd. No.BIHURD/4136/61Printed & Published by Sohail Ahmad Nadwi, on behalf of Imarat Shariah Phulwari Sharif, Patna, Printed at Azimabad Printers, R.C.F./105, Ground Floor, B.H. Colony, Bhootnath Road, Kankarbagh, Patna-800026 and Published from Naqueeb Office Imarat Shariah, Phulwari Sharif, Patna-801505, Editior: (Mufti) Mohammad Sanaul Hoda (Quasmi)

Scanned with CamScanner

LEADING URDU JOURNAL OF IMARAT SHARIAH
BIHAR ODISHA & JHARKHAND
NAQUEEB WEEKLY
PHULWARI SHARIF, PATNA-801505
SSPOS PATNA Regd.No.PT 14-6-21-23
R.N.I.N.Delhi,Regd No-BIHURD/4136/61

اپنے ہر ہر لفظ کا خود آئینہ ہو جاؤں گا
اس کو چھوٹا کہہ کے میں کیسے بڑا ہو جاؤں گا (وسیم بریلوی)

پسماندہ طبقات اور اقلیتوں کے درمیان سیاسی بیداری کی ضرورت

ڈاکٹر محمد منظور عالم

جمہوریت میں انتخابات سب سے اہم ہوتے ہیں، انتخابات جمہوریت اور ڈیموکریسی کی روح ہوتی ہے، اسی جمہوری نظام کی بنیاد پر عوام کو اپنا حکمراں اور لیڈر منتخب کرنے کا موقع ملتا ہے، عوام کے ہاتھوں میں مکمل اختیار ہوتا ہے کہ وہ کسے، کن بنیادوں پر اور کیوں منتخب کرے، کسے اپنی ریاست کے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق سونپ دے، کس کو اپنا حاکم تسلیم کرلے، دیگر نظاموں میں طاقت، قوت، جنگ وجدال اور قتل کے ذریعہ کوئی حاکم بنتا ہے، سلطنت پر قبضہ کرتا ہے لیکن جمہوریت میں خود عوام اپنا حاکم منتخب کرتی ہے اس لئے عوام کے اوپر جمہوری نظام میں سب سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ بہت سوچ سمجھ کر ووٹ کرے، ووٹ ڈالنے سے پہلے اچھی طرح غور وفکر کرلے کہ اس کا ووٹ کسے جارہا ہے، کن خوبیوں کی بنیاد پر جارہا ہے اور جسے ووٹ دیا جارہا ہے وہ ملک اور سماج کیلئے کیا خدمات انجام دے گا، اس کی سوچ کیا ہے، ماضی میں اس نے ملک وقوم کیلئے کس طرح کا کارنامہ انجام دیا ہے، عوام کے درمیان اس کی شبیہ اور شناخت کیسی ہے، عوام کیلئے وہ کتنا مفید ثابت ہوگا۔

بھارت دنیا کا سب سے بڑا جمہوری ملک ہے، جہاں متعدد طرح کے انتخابات ہوتے ہیں جن میں عام انتخابات اور اسمبلی انتخابات سب سے اہم ہیں، ہر پانچ سال پر ہم عوام کو اپنا وزیر اعظم، وزیر اعلی، ایم پی، ایم ایل اے اور دیگر نمائندوں کو منتخب کرنے کا موقع ملتا ہے، ایک غلطی کی بنیاد پر پانچ سالوں تک پچھتانا پڑتا ہے اور ایک صحیح فیصلہ پانچ سالوں تک ہماری ریاست کے حق میں مفید ثابت ہوتا ہے اس لئے ووٹ ڈالنے کیلئے ضروری ہے کہ وہ ووٹ ڈالنے سے پہلے بہت کچھ سوچ لے، کچھ اہم نکات پر غور کرلے جس کا ہم یہاں تذکرہ کرنے جارہے ہیں۔

10 فروری سے 7 مارچ تک پانچ صوبوں میں انتخابات ہو رہے ہیں، اتر پردیش، پنجاب، اتراکھنڈ، گوا، منی پور۔ یہ پانچوں صوبے انتہائی اہم ہیں اور ان میں اتر پردیش سب سے اہم ہے جو آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا صوبہ اور دنیا کا چھٹا ملک مانا جاتا ہے۔ مرکزی حکومت کا راستہ بھی اتر پردیش کے ذریعہ ہی بآسانی طے ہوتا ہے اس لئے پانچ صوبوں اور بالخصوص اتر پردیش کے عوام کو ووٹ ڈالنے سے پہلے ان امور پر غور کرنا ہوگا کہ وہ کسی بھی پارٹی، کسی بھی نمائندہ کو کیوں ووٹ دے رہے ہیں، اس کی جیت سے ریاست کا نقصان ہوگا یا ترقی ہوگی، ملک میں امن وسلامتی کو فروغ ملے گا یا فرقہ پرستی کا عروج ہوگا۔

ان پانچ صوبوں میں کمزوروں، دلتوں، پسماندہ طبقات اور اقلیتوں کی بڑی تعداد ہے بلکہ انہیں کے ووٹوں کی وجہ سے کسی بھی پارٹی کی سرکار بنتی ہے یا کسی کو شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن اقتدار میں آنے کے بعد صاحب اقتدار کی جانب سے سب سے زیادہ انہیں طبقات پر مظالم ڈھائے جاتے ہیں، انہیں کو حاشیہ پر رکھا جاتا ہے، ہر طرح کے حقوق سے محروم کردیا جاتا ہے اس لئے ان طبقات کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اندر بیداری پیدا کریں، اتحاد قائم کریں، سیاسی شعور سے کام لیں، ملک کو بچانے کی فکر کریں، ملک کے سیکولر ڈھانچہ کو فروغ دینے کی کوشش کریں، ان طاقتوں کی سازشوں کو سمجھیں جو جمہوریت کو ختم کرنا چاہتے ہیں، سیکولرزم کو ہندو راشٹر میں بدلنا چاہتے ہیں، آئین ہند کی جگہ منواسمرتی کو نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ ملک کے دلتوں کو دوبارہ غلام بنانا چاہتے ہیں، آزادی، مساوات، انصاف اور بھائی چارہ تک ہر ایک شہری کی رسائی کو روکنا چاہتے ہیں۔

ووٹ دیتے وقت یہ خیال رکھیں کہ جسے ووٹ دے رہے ہیں وہ کسی سیکولر پارٹی کا نمائندہ ہو، جیتنے کی صلاحیت ہو، عوام کا رجحان اس کی جانب ہو، سیکولرزم کے اصولوں پر عمل پیرا ہو، سماج کو جوڑ کر رکھنے کی صلاحیت کا حامل ہو، آئین ہند کے تحفظ کیلئے فکرمند ہو، سماج کے سبھی طبقات کیلئے یکساں سوچ رکھتا ہو، فرقہ پرستی سے دور ہو، عوام کیلئے ہمدرد ہو، مشکل اوقات میں کام آتا ہو، سماج کو تقسیم نہ کرتا ہو ایسے نمائندوں کو ووٹ دیں، انہیں کامیاب بنا کر اسمبلی بھیجیں، ملک کے سیکولرزم اور آئین کی حفاظت کرنے والی پارٹیوں کو اقتدار تک پہونچانے کی کوشش کریں۔ اتر پردیش، پنجاب، اتراکھنڈ، گوا اور منی پور تمام صوبوں میں سیکولر پارٹیوں کے نمائندوں کو ووٹ دیں، کسی ایک پارٹی کو ووٹ دینے کے بجائے اس کے ایماندار، مخلص، سیکولر مزاج رکھنے والے نمائندے کو ووٹ دیں، خواہ وہ کسی بھی سیکولر اور آئین ہند پر یقین رکھنے والی پارٹی کا نمائندہ ہو، کسی ایک پارٹی کے بجائے مختلف پارٹیوں کے ایماندار اور سیکولر اقدار کے حامل نمائندوں کی کامیابی کو یقینی بنائیں اسی کو سیاست کی اصطلاح میں ٹیکٹیکل ووٹنگ کہا جاتا ہے۔

ٹیکٹیکل ووٹنگ کیلئے عوام کے درمیان سیاسی شعور کی بیداری، آپسی اتحاد اور ہم آہنگی ضروری ہے اس کے علاوہ ووٹنگ کی اہمیت، جمہوریت کی قدر، سیکولرزم کی حفاظت اور آئین کو بچانے کی فکرمندی ضروری ہے اور یہ فکرمندی ملک کے دلتوں، پچھڑوں، کمزوروں، اقلیتوں، آدی واسیوں اور پسماندہ طبقات کے درمیان ضروری ہے ورنہ ان کے حالات پہلے سے زیادہ بدتر ہوں گے، مظالم کا سلسلہ مزید دراز ہوجائے گا اور مزید پانچ سالوں تک مشکلات، مظالم اور مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

بھارت ایک ایسا ملک ہے جہاں سب سے زیادہ او بی سی اور ایس سی ایس ٹی سے تعلق رکھنے والے عوام ہیں، ان عوام کا کسی کی جیت اور ہار میں نمایاں کردار ہوتا ہے لیکن تعداد کی کثرت کے ساتھ سیاسی شعور ضروری ہے، اپنے حقوق کو جاننا ضروری ہے، یہ ادراک ہونا چاہئے کہ وہ کون لوگ جو ان کی ترقی چاہتے ہیں اور وہ کون لوگ ہیں جو ان کا استحصال کررہے ہیں، انہیں صرف ان کے ووٹوں سے مطلب ہوتا ہے ان کی ترقی اور کامیابی نہیں چاہتے ہیں، ایسی پارٹیوں کی شناخت ضروری ہے۔ جو پارٹی پسماندہ طبقات کے حقوق کیلئے کام کرتی رہے، ماضی میں جنہوں نے کام کیا ہے ان کو ذہن میں رکھنا چاہئے، ان کے امیدواروں پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے، دوسری طرف وہ پارٹیاں جنہوں نے ہمیشہ دلتوں کا استحصال کیا ہے، نقصان پہونچایا ہے، انہیں ہر طرح کی مشکلوں سے دوچار کیا ہے ایسی پارٹیوں سے دوری اختیار کرنی چاہئے، ایسی پارٹیوں کی سازشوں کا دوبارہ شکار نہیں ہونا چاہئے، اپنے ووٹ کے حق کا صحیح استعمال کرتے ہوئے اپنے خیر خواہوں کو باگ ڈور سونپنا چاہئے۔ ووٹ ایک فریضہ ہے، ایک بنیادی حق ہے، ایک گواہی ہے اس لئے جسے بھی ووٹ دیں بہت سوچ سمجھ کر اور غور وفکر کرکے ووٹ دیں، اگر ذرا سی چوک ہوئی، غلط فیصلہ ہوگیا، کسی لالچ، وقتی مفاد اور بہکاوے میں آکر آپ نے ووٹ کیا تو پھر اگلے پانچ سالوں تک پچھتانا پڑے گا، غلط لوگوں کو اقتدار سونپنے کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا، کف افسوس ملنے کے سوا آپ کے پاس کچھ نہیں بچے گا اس لئے جسے بھی ووٹ دیں بہت سوچ سمجھ کر اور مستقبل کو سامنے رکھتے ہوئے، ملک کے مفاد اور دستور کے تحفظ کو یقینی بنانے کیلئے حق رائے دہی کا استعمال کریں کیوں کہ جمہوریت کی روح انتخاب ہے اور انتخابات میں ذہانت، عقل وفراست کا استعمال ضروری ہے۔ حالات کو سمجھنا، مستقبل کو دیکھنا اور تمام امور کو پیش نظر رکھنا ووٹ ڈالنے سے قبل بنیادی امر ہے۔ ہر انتخاب اور الیکشن میں یہی طریقہ کار سامنے ہونا چاہیے اور تمام امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے حق رائے دہی کا استعمال کرنا چاہیے۔

> بھارت ایک ایسا ملک ہے جہاں سب سے زیادہ او بی سی اور ایس سی ایس ٹی سے تعلق رکھنے والے عوام ہیں ، ان عوام کا کسی کی جیت اور ہار میں نمایاں کردار ہوتا ہے لیکن تعداد کی کثرت کے ساتھ سیاسی شعور ضروری ہے ، اپنے حقوق کو جاننا ضروری ہے ، یہ ادراک ہونا چاہئے کہ وہ کون لوگ ہیں جو ان کی ترقی چاہتے ہیں اور وہ کون لوگ ہیں جو ان کا استحصال کررہے ہیں ۔ انہیں صرف ان کے ووٹوں سے مطلب ہوتا ہے ان کی ترقی اور کامیابی نہیں چاہتے ہیں ، ایسی پارٹیوں کی شناخت ضروری ہے

نقیب کے خریداروں سے گذارش

اگر اوپر دائرہ میں سرخ نشان ہے، تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے۔ براہ کرم فوراً آئندہ کے لیے سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں، اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ نمبر پر ڈرافٹ بھی سالانہ یا ششماہی زر تعاون اور بقایہ جات بھیج سکتے ہیں، رقم بھیج کر درج ذیل موبائل نمبر پر خبر کردیں۔

A/C Name: THE NAQUEEB, A/C No: 10331726168
Bank: SBI, Branch J.C. Road, Patna, IFSC Code: SBIN0001233
Mobile: 9576507798 رابطہ اور واٹس اپ نمبر

نقیب کے شائقین کے لئے خوشخبری ہے کہ آپ نقیب کے آفیشیل ویب سائٹ www.imaratshariah.com پر بھی لاگ ان کرکے نقیب سے استفادہ کرسکتے ہیں۔

(منیجر نقیب)

Print & Design by : Azimabad Printers, Patna-06 # 9473371988

Scanned with CamScanner